سالوں کے بعد رومی ایرانیوں پر غالب آئیں گے اور مسلمان بھی ایک بڑی خوشی سے ہمکنار ہوں گے۔اس سے اس کا نام ''سورۃ الروم'' رکھا گیا ہے۔(یاد رہے قرآن کی پیش گوئی ۲ ہجری میں اس وقت پوری ہوئی جب رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دی اور انہی دنوں مسلمان فتح بدر کی خوشیاں منا رہے تھے۔)

31- سورۃ لقمان: اس سورت میں حضرت لقمان علیہ السلام کا تذکرہ ہے جو بہت بڑے حکیم اور دانا آدمی تھے۔اس سورت میں ان کی اپنے بیٹے کے نام قیمتی پند و نصائح کا تذکرہ ہے۔اسی بنا پر اس کا نام ''سورۃ لقمان'' رکھ دیا گیا۔

32- سورۃ السجدۃ: اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا تذکرہ ہے اور اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس کی ذات پر صحیح معنی میں وہی ایمان لانے والے ہیں جو اس کے معجزات کو دیکھ کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اس لیے اس کا نام ''سورۃ السجدۃ'' رکھ دیا گیا۔

33- سورۃ الاحزاب: ''احزاب'' حزب کی جمع ہے۔ہجرت کے پانچویں سال پورے عرب کے یہودیوں اور مشرکین نے مل کر مسلمانوں پر یلغار کر دی کئی دن محاصرہ کیے رکھا آخر کار ناکام حالت میں وہ واپس چلے گئے۔اسی مناسبت سے اس کا نام ''سورۃ الاحزاب'' رکھا گیا۔

34- سورۃ سبا: کسی زمانے میں یمن میں ایک قوم آباد تھی جس کا نام سبا تھا۔انہوں نے اپنی وادیوں کا پانی ایک ڈیم کی صورت میں جمع کیا ہوا تھا اور سال بھر اپنی زمینوں کو اس سے سیراب کرتے تھے جس کی وجہ سے انتہائی فراوانی میں تھے۔اللہ تعالیٰ کے احکام کی بغاوت کی وجہ سے وہ ڈیم ٹوٹا اور پوری قوم تباہ و برباد ہوئی۔اس پورے واقعے کے ذکر کی وجہ سے اس کا نام ''سورۃ سبا'' رکھا گیا۔

35- سورۃ فاطر: ''فاطر'' کا معنی بغیر کسی نمونے کے تخلیق کرنے والا ہے۔اس

سورت کا آغاز ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ سے ہوا ہے جس میں اللہ کی صفت ''فاطر'' ہے۔اسی بنا پر اس سورت کا نام ''سورۃ فاطر'' رکھا گیا ہے۔اس میں چند فرشتوں کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہمہ وقت عمل کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔اس وجہ سے اس کو ''سورۃ الملائکۃ'' بھی کہا گیا ہے۔

36- سورۃ یٰسٓ: اس سورت کا آغاز حروف مقطعات ''یٰسٓ'' سے ہوا ہے جن کے معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں البتہ بعض علماء نے اس کا معنی ''یاسیّد'' بھی کیا ہے اور مراد نبی ﷺ لیے ہیں۔اسی لفظ سے اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔اس سورت کو ''قلب القرآن'' اور ''سورۃ المدافعۃ'' بھی کہا جاتا ہے۔

37- سورۃ الصّٰفّٰتِ: اس سورت کا آغاز ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا﴾ سے کیا گیا ہے جن سے مراد صف باندھنے والے فرشتے ہیں۔اسی سے اس سورت کا نام مقرر کر دیا گیا۔

38- سورۃ صٓ: اس سورت کا آغاز لفظ ''صٓ'' سے ہے جو حروف مقطعات میں سے ہے۔بعض علماء نے ''صٓ'' سے مراد صادق لیا ہے اور مخاطب نبی ﷺ کو سمجھا ہے۔اسی لفظ سے اس سورت کا نام ''سورۃ صٓ'' رکھا گیا ہے۔

39- سورۃ الزمر: ''زمر'' کا معنی گروہ اور جماعت ہے۔اس کے آخر میں اچھے اور برے لوگوں کا انجام بتلایا گیا ہے کہ نیک لوگوں کو گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور برے لوگوں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔اس بنا پر اس کا نام ''سورۃ الزمر'' رکھا گیا ہے اور اس میں مومنوں سے جنت کے بالا خانوں کا وعدہ ہے اس لیے اسے ''سورۃ الغرف'' بھی کہتے ہیں۔جبکہ غرف غرفۃ (بالا خانہ) کی جمع ہے۔

40- سورۃ المؤمن: اس سورت میں ایک مومن کا تذکرہ ہے جس نے حضرت

موسیٰ علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ آپ مصر کو چھوڑ کر نکل جائیں کیونکہ فرعون اور اس کے حواری آپ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کا نام "سورۃ المؤمن" رکھا گیا ہے۔

اس سورت کی دوسری آیت میں اللہ کی صفت "غَافِرِ الذَّنْبِ" بیان ہوئی ہے اس لیے اس کا نام "سورۃ الغافر" بھی ہے نیز اس سورت میں اللہ کی صفت ذِی الطَّوْلِ بھی ہے اس لیے اس کو "سورۃ الطول" بھی کہا جاتا ہے۔

41- سورۃ فصلت: اس سورت کی ابتدا ﴿كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ سے کی گئی ہے اس لیے اس کا نام "سورۃ فصلت" رکھا گیا ہے۔ اس سورت میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے:

﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ﴾
(حٰمٓ السجدۃ: 37/4)

"نہ تو تم سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اس اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔"

اس بنا پر اس کا نام "سورۃ السجدۃ" بھی ہے چونکہ اس کا آغاز "حٰمٓ" سے ہوا ہے اس لیے اکیسویں پارے والی "سورۃ السجدۃ" سے اسے ممتاز کرنے کے لئے اس کے شروع میں "حٰمٓ" بڑھا دیتے ہیں اس لیے اس کا نام "سورۃ حٰمٓ السجدۃ" ہے اور اس سورت کو "سورۃ المصابیح" بھی کہا جاتا ہے۔

42- سورۃ الشوریٰ: اس سورت میں مومنوں کی زندگی کا بہترین وصف یہ بیان کیا گیا ہے:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوری: 38/42)

"اور ان کے کام باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔"

اس سے اس کا نام "سورۃ الشوریٰ" رکھا گیا۔ اس سورت کا آغاز حروف مقطعات

''حٰمٓ عٓسٓقٓ'' سے کیا گیا اس لیے اس کا نام ''سورۃ حٰمٓ عٓسٓقٓ'' بھی ہے۔

43- سورۃ الزخرف :''زخرف'' کے معنی مزین کرنا' سونا اور سامان آسائش کے ہیں۔اس سورت میں کفار کی راحت قلبی اور حب جاہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ دنیا کا ساز وسامان اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔وہ چاہے تو ہر انسان کو اس قدر دولت عطا کر دے کہ اس کے گھر' دروازے' سیڑھیاں اور دیگر سامان سونے کا بنا دے۔اسی عنوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سورت کا نام ''سورۃ الزخرف'' رکھا گیا ہے۔

44- سورۃ الدخان :''دخان'' کے معنی دھواں کے ہیں۔اس سورت میں یہ بتلایا گیا کہ قیامت کے روز آسمان پر دھواں چھا جائے گا اور اس طرح کائنات کا نظام ختم ہو جائے گا۔اسی بنا پر اس کا نام ''سورۃ الدخان'' رکھا گیا ہے۔

45- سورۃ الجاثیۃ :''جاثیۃ'' کا معنی گھٹنوں کے بل بیٹھنا یا مجتمع ہونا ہے۔اس سورت میں قیامت کے احوال ذکر کرتے ہوئے بتلایا گیا ﴿ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ﴾ اسی سے اس سورت کا نام اخذ کیا گیا ہے۔

46- سورۃ الاحقاف :''احقاف'' حقف کی جمع ہے جس کا معنی ریت کا ٹیلا ہے۔اس سے قوم عاد کی طرف اشارہ ہے جو کبھی بڑی پر رونق آبادیاں بسائے ہوئے تھے۔جب ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام نبی بن کر آئے اور انہوں نے احکام الٰہی پہنچائے تو قوم کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر عذاب آیا جس کے نتیجے میں ان کے محلات اور باغات ریت کے ٹیلے اور کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے۔اس سورت میں اس کا تذکرہ ہے اس لیے اس کا نام ''سورۃ الاحقاف'' رکھا گیا ہے۔

47- سورۃ محمد:اس سورت کی دوسری آیت میں آپ ﷺ کا اسم گرامی محمد ﷺ

بیان کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو کچھ ان پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لانا لازمی ہے ورنہ کوئی عمل قبول نہیں ہوگا' لہٰذا آپ کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں قتال کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اس لیے اس کو "سورة القتال" بھی کہا گیا ہے۔

48- سورة الفتح: اس سورت کی ابتدا فتح کے اعلان (صلح حدیبیہ) سے ہوئی ہے جس میں مسلمانوں کے انجام کو کامیابی اور منکرین کے انجام کو تباہی سے واضح کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر اس کا نام "سورة الفتح" رکھا گیا۔

49- سورة الحجرات: "حجرات" حجرة کی جمع ہے۔ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے الگ الگ حجرے تھے۔ ایک دفعہ چند دیہاتی آپ کے ہاں آئے اور وہ حجروں سے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دینے لگے: "اُخْرُجْ یَا مُحَمَّدُ" ان کے اس انداز کو پسند نہ کیا گیا اور ان کے بارے میں یہ بیان کیا گیا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ ﴾ (الحجرات:4/49)

"(اے نبی!) جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔"

اسی سے اس سورت کا نام رکھا گیا۔

50- سورة قٓ: اس سورت کا آغاز "قٓ" سے کیا گیا جو حروف مقطعات میں سے ہے۔ اس حرف "قٓ" کو اس سورت میں کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ اس سورت میں لفظ "بٰسِقٰتٍ" (لمبی لمبی) استعمال ہوا ہے جس کی وجہ سے اسے "سورة البٰسقٰت" بھی کہتے ہیں۔

51- سورۃ الذاریات: سورت کی پہلی آیت ﴿ وَ الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ﴾ سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے جس سے مراد وہ تیز ہوائیں ہیں جو پانی کو اٹھا کر دور دراز علاقوں تک پہنچاتی ہیں۔

52- سورۃ الطور: اس سورت کا آغاز ﴿ وَ الطُّوْرِ ○ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴾ سے کیا گیا ہے اور "طور" سے مراد جبل حرا ہے یا طور سیناء ہے اور اس سے اس سورت کا نام "سورۃ الطور" متعین کیا گیا ہے۔

53- سورۃ النجم: سورت کی پہلی آیت ﴿ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴾ سے اس کا نام مقرر کیا گیا۔ نجم سے مراد ستارہ ہے۔ بعض نے اس سے مراد قرآن مجید لیا ہے جس کی آیات کہکشاں کی طرح چمک اور دمک رکھتی ہیں اور اسی سے اس سورت کا نام "سورۃ النجم" رکھا گیا ہے۔

54- سورۃ القمر: اس سورت میں انشقاقِ قمر کے معجزے کی طرف اشارہ ہے جو مشرکین کے مطالبے پر آپ ﷺ سے ظاہر ہوا تھا کہ آپ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور چاند دو ٹکڑے ہونے کے بعد دوبارہ مل گیا جو کئی ممالک میں دیکھا گیا اس سے اس کا نام "سورۃ القمر" رکھا گیا۔ اس سورت کی ابتدا ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾ سے ہوئی ہے جس میں قیامت کی ہولناکی اور مشرکین کے اپنے نظریات پر بضد ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لیے اس سورت کا نام "سورۃ اقتربت" بھی رکھا گیا ہے۔

55- سورۃ الرحمٰن: "رحمن" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس سورت کا آغاز اسی سے کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جن نعمتوں کا تذکرہ بار بار اس میں کیا گیا ہے وہ اس کے رحمان ہونے کا تقاضا ہے ورنہ تمہارے اعمال اس کے

برعکس ہیں۔اس کا دوسرا نام "سورۃ عروس القرآن" ہے کیونکہ یہ اپنے حسن بیان کے اعتبار سے دلھن کی طرح مزین ہے۔

56- سورۃ الواقعۃ: اس سورت کی ابتدا ﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ سے کی گئی ہے اور واقعۃ سے مراد واقع ہونے والی قیامت ہے' اسی سے اس کا نام متعین کر دیا گیا ہے۔

57- سورۃ الحدید: اس سورت میں جہاد کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے حربی آلات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور فرمایا:

﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴾

(الحدید: 25/57)

"اور لوہا (بھی) نازل کیا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں۔"

اسی سے اس کا نام "سورۃ الحدید" رکھا گیا ہے۔

58- سورۃ المجادلۃ: "مجادلۃ" کا معنی بحث و مباحثہ کرنا اور بضد ہو کر اپنی بات منوانا ہے۔اس سورت میں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کو اس کے خاوند نے ظہار کی بنا پر چھوڑ دیا تھا اور وہ بار بار نبی ﷺ سے مطالبہ کر رہی تھی کہ مجھے طلاق نہیں ہونی چاہیے' اس سے اس کا نام "سورۃ المجادلۃ" رکھا گیا۔ چونکہ اس میں مسئلہ ظہار بیان کیا گیا ہے' اس لیے اس کا نام "سورۃ الظہار" بھی ہے۔

59- سورۃ الحشر: ہجرت کے چوتھے سال یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر نے نبی ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی۔جس کو اللہ تعالیٰ نے ناکام کر دیا اور پھر ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا اور یہ تمام گروہ کی صورت میں نکلے جس کو حشر کے نام سے تعبیر کیا گیا اس لیے یہ "سورۃ الحشر" کہلائی اس کا دوسرا نام "سورۃ بنی نضیر" ہے۔

60- سورة الممتحنة: ہجرت کے چھٹے سال حدیبیہ کے مقام پر جو صلح نامہ لکھا گیا اس میں عورتوں کی قید نہ تھی چنانچہ کوئی عورت مسلمان ہوکر مدینے میں آجاتی تو اس کو واپس کرنا لازمی نہ تھا۔ اس سورت میں ایسی عورتوں کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں کہ اگر وہ ہجرت کرکے آپ کے پاس آئیں تو آپ ان سے امتحان لے لیا کریں کہ ہجرت سے غرض اسلام ہے یا دنیاوی لالچ اور طمع۔ اسی سے اس کا نام "سورة الممتحنة" رکھا گیا۔ اس کو بعض نے "سورة الامتحان" اور بعض نے "سورة المرأة" بھی کہا ہے۔

61- سورة الصف : اس سورت میں جہاد کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا ﴾ (الصف:4/61)

"اللہ تعالیٰ یقیناً ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہوکر لڑتے ہیں۔"

اسی سے اس کا نام "سورة الصف" مقرر کردیا گیا۔ اس سورت کا نام "سورة الحواريين" بھی ہے کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا بھی تذکرہ ہے۔

62- سورة الجمعة: اس سورت میں خطبہ جمعہ کے آداب بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ﴾ (الجمعة:9/62)

"جب جمعہ کی اذان ہوجائے تو خرید وفروخت اور دوسرے دنیاوی کام چھوڑ کر دربار الٰہی کی طرف آجاؤ۔"

اس وجہ سے اس کا نام "سورة الجمعه" رکھا گیا۔

63- سورۃ المنافقون: اس سورت میں منافقوں کے کردار اور ان کی بد باطنی کو واضح کیا گیا ہے اور فرمایا:

﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ﴾ (المنافقون:63/1)

''جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

اسی سے اس کا نام ''سورۃ المنافقون'' رکھا گیا۔

64- سورۃ التغابن: ''تغابن'' کا معنی دوسرے کا حصہ غبن کر لینا ہے۔ قیامت کے دن مظلوم مسلمان ظالموں کا حصہ غبن کر لیں گے جس طرح دنیا میں انہوں نے ان کا حصہ غبن کیا تھا۔ اس سورت میں قیامت کے دوسرے ناموں کے ساتھ ایک نام ''یوم التغابن'' کا بھی ذکر کیا گیا ہے اسی سے اس کا نام ''سورۃ التغابن'' مقرر کیا گیا ہے۔

65- سورۃ الطلاق: ''طلاق'' کا لغوی معنی ہے آزاد کر دینا۔ اس سورت میں طلاق کے احکام تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اس لیے اس سورت کا نام ''سورۃ الطلاق'' رکھا گیا ہے۔

66- سورۃ التحریم: تحریم کے معنی حرام کر دینے کے ہیں۔ اس میں نبی ﷺ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے اپنی بعض ازواج کو خوش کرنے کے لیے شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (التحریم:66/1)

''اے نبی! جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے آپ اسے حرام کیوں کرتے ہیں؟ کیا آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اس کا دوسرا نام ''سورة المحترمة'' ہے۔

67- سورة الملک: اس سورت کی ابتدا ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ﴾ سے کی گئی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تمام قسم کی حکومت اور اختیارات صرف اللہ کی ذات کو حاصل ہیں۔ ابتدائی لفظ کو دیکھ کر اس کا نام ''سورة تبارک'' بھی ہے نیز اس کو ''سورة المانعة' سورة المنازعة' سورة المنجعة'' بھی کہتے ہیں۔

68- سورة القلم: اس سورت کے ابتدائی الفاظ ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ﴾ سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے اور لفظ ''نٓ'' کی وجہ سے اس کا نام ''سورة نٓ'' بھی ہے۔

69- سورة الحآقة: ''الحآقه'' سے مراد وہ چیز ہے جس کا واقع ہونا برحق ہے۔ مراد اس سے قیامت ہے۔ اس میں قیامت صغریٰ و کبریٰ دونوں کا ذکر ہے۔ قوم عاد و ثمود وغیرہ پر قیامت صغریٰ برپا ہوئی اور کبریٰ کا مرحلہ باقی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام ''سورة الحآقة'' رکھا گیا ہے۔

70- سورة المعارج: ''معارج'' معراج کی جمع ہے جس کا معنی ''سیڑھی'' ہے۔ اس جگہ مراد درجات کی بلندی ہے۔ ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ''ذوالمعارج'' کہا ہے یعنی درجات اور بلندیاں اسی کے لیے ہیں اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔ چونکہ اس کی ابتدا ﴿سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ﴾ سے ہوئی ہے

اس لیے اس کا نام ''سورۃ سائل'' بھی ہے۔

71- سورۃ نوح: اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت توحید، قوم کے اکھڑپن اور مخالفت اور فریقین کا انجام بیان کیا گیا ہے، اس لیے اس کا نام ''سورۃ نوح'' رکھا گیا ہے۔

72- سورۃ الجن: اس سورت کے ابتدائی حصے میں جنوں کے ایک گروہ کا تذکرہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قرآن سن کر ایمان لے آئے۔ اسی سے اس کا نام ''سورۃ الجن'' رکھا گیا ہے۔

73- سورۃ المزّمّل: ''مزمل'' کا معنی کپڑا اوڑھنے والا ہے۔ قریش نے دارالندوہ میں اکھٹے ہو کر آپ کو ایسے نام سے موسوم کرنے کا مشورہ کیا کہ جس سے لوگ آپ سے متنفر ہو جائیں۔ آپ کو جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو آپ نے کپڑا اوڑھ لیا تو اسی حالت میں یہ کہا گیا: ﴿يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ ''اے کپڑا اوڑھنے والے!'' اسی سے اس سورت کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

74- سورۃ المدثر: ''مدثر'' کا معنی چادر اوڑھنے والا ہے۔ غار حرا کے واقعہ کے بعد کچھ عرصہ وحی کا سلسلہ بند رہا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستے پر چل رہے تھے۔ اوپر سے ندا آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام نظر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر گھبرا گئے اور گھر آ کر (دَثِّرُوْنِی دَثِّرُوْنِی) ''مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔'' کہا تو اسی حالت میں اس سورت کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ اسی سے اس کا نام ''سورۃ المدثر'' رکھا گیا ہے۔

75- سورۃ القیامۃ: اس سورت میں قیامت کا نقشہ بیان کیا گیا ہے جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ دنیا کا نظام اسی طرح ہمیشہ جاری و ساری نہیں رہے گا بلکہ ایک وقت

آئے گا کہ اسرافیل کی پھونک سے تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔اس سے اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

76- سورۃ الدھر: اس سورت میں زمانے کی حقیقت واضح کی گئی ہے جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان پر ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے کہ اس کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اسی بنا پر اس سورت کا نام "**سورۃ الدھر**" رکھا گیا ہے اور لفظ ﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ ﴾ کی وجہ سے اسے "**سورۃ الانسان**" بھی کہتے ہیں۔

77- سورۃ المرسلات: سورت کا نام ﴿ وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴾ سے ماخوذ ہے۔ مرسلات سے مراد تیز بھیجی ہوئی ہوائیں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم نظام ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا نام "**سورۃ المرسلات**" رکھا گیا ہے۔

78- سورۃ النبا: "نَبَأ" کا معنی خبر ہے۔اس سورت میں "النَّبَاِ الْعَظِيْمِ" یعنی قیامت کے متعلق مشرکین کے سوال کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اسی بنا پر اس کا نام "**سورۃ النبا**" رکھا گیا ہے۔اس کی ابتدا ﴿ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴾ سے ہوئی ہے اس لیے اس کا نام "**سورۃ عم یتساء لون**" بھی ہے۔

79- سورۃ النّٰزعات: اس سورت کی ابتدا ﴿ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴾ سے کی گئی ہے اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی روح انتہائی سختی سے نکالتے ہیں۔اسی سے اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

80- سورۃ عبس: سورت کی ابتدا ﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ﴾ سے ہوئی ہے۔اسی سے اس کا نام "**سورۃ عبس**" ہے۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جس وقت آپ کفار کی مجلس کو پند ونصائح کر رہے تھے تو نابینے صحابی کا آنا آپ نے ناپسند

کیا جس بنا پر یہ سورت نازل ہوئی۔

81- سورۃ التکویر: اس سورت کی ابتدا ﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴾ سے کی گئی ہے' جس کے معنی سورج کو لپیٹ لینے کے ہیں اسی سے اس کا نام "سورۃ التکویر" رکھا گیا ہے۔اس سورت میں قیامت کا منظر بیان کیا گیا ہے۔اس کو "سورۃ کوّرت" بھی کہتے ہیں۔

82- سورۃ الانفطار: سورت کی ابتدا ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴾ سے کی گئی ہے' جس کے معنی پھٹ جانے کے ہیں۔مراد قیامت والے دن آسمان کا ریزہ ریزہ ہوکر پھٹ جانا ہے۔اسی سے اس کا نام "سورۃ الانفطار" رکھا گیا ہے۔

83- سورۃ المطففین: "مُطَفِّفِیْن" سے مراد ناپ تول میں کمی کرنے والے ہیں۔ اس سورت میں ناپ تول میں کمی کرنے والے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے۔ اس لیے اس کا نام "سورۃ المطففین" رکھا گیا ہے۔

84- سورۃ الانشقاق: اس سورت کی ابتدا ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ سے کی گئی ہے' مراد قیامت کے دن آسمان کا پھٹ جانا ہے۔اسی سے سورت کا نام "سورۃ الانشقاق" رکھا ہے۔

85- سورۃ البروج: سورت کی ابتدا ﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴾ سے کی گئی ہے۔ "بروج" برج کی جمع ہے' اس سے مراد برجوں والا آسمان ہے اور اسی سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے۔

86- سورۃ الطارق: سورت کی ابتدا ﴿ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴾ سے کی گئی ہے۔ "طارق" سے مراد رات کو آکر دروازہ کھٹکھٹانے والا ہے۔اس سورت میں اس سے مراد رات کو ٹوٹنے والا ستارہ ہے اور اسی سے اس کا نام "سورۃ الطارق" رکھا گیا ہے۔

87- سورۃ الاعلیٰ: یہ نام سورت کی پہلی آیت ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴾ سے ماخوذ ہے اور ''اعلیٰ'' سے مراد سب سے بلند و برتر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

88- سورۃ الغاشیۃ: اس سورت کی پہلی آیت ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ ''الغاشیۃ'' سے مراد ڈھانپ لینے والی قیامت ہے۔

89- سورۃ الفجر: سورت کی ابتدا میں ''الفجر'' کا ذکر ہے جس سے مراد پو پھوٹنے کا وقت ہے۔ اسی سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے۔

90- سورۃ البلد: سورت کی پہلی آیت ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ سے نام رکھا گیا ہے اور ''البلد'' سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

91- سورۃ الشمس: سورت کی ابتدا ﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ﴾ سے ہوئی ہے۔ ''شمس''، یعنی سورج اپنی توانائی سے ابھرتا اور پھر آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے اور یہی انسان کی حالت ہے کہ پیدائش کے بعد جوانی کی طرف اور جوانی سے بڑھاپے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ ابتدائی لفظ ہی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔

92- سورۃ الّیل: پہلی آیت ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ سے یہ نام اخذ کیا گیا ہے، جس میں ''لیل''، یعنی رات یا رات کی تخلیق میں غور و فکر کرنے پر قسم کھائی گئی ہے۔

93- سورۃ الضحیٰ: پہلی آیت ﴿وَالضُّحٰى﴾ سے نام رکھا گیا ہے۔ ''ضحیٰ'' سے چاشت کا وقت مراد ہے جب سورج چڑھ کر کافی اونچا ہو جاتا ہے۔

94- سورۃ الم نشرح: اللہ تعالیٰ نے سورت کی پہلی آیت میں نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ ﴾ (الم نشرح: 1/94)

''کیا ہم نے (اسلام کے لیے) آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟''

اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔ اسے "سورۃ الانشراح" بھی کہا جاتا ہے۔

95- سورۃ التین: پہلی آیت ﴿وَ التِّیْنِ﴾ سے اس کا نام رکھا گیا ہے اور "التّین" سے مراد انجیر ہے۔

96- سورۃ العلق: اس سورت میں ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ فرمایا گیا ہے۔ "عَلَق" سے مراد خون کا جما ہوا لوتھڑا ہے۔ اس سورت میں انسان کی تخلیق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اس کو "علق" سے پیدا کیا گیا ہے، اس لیے وہ اپنی حقیقت کو فراموش نہ کرے۔ اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔

97- سورۃ القدر: اس سورت میں لیلۃ القدر کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے، جو رمضان کے آخری عشرے میں ہوتی ہے اور اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔

98- سورۃ البینۃ: "بیّنۃ" کا معنی واضح اور روشن دلیل ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل اہل کتاب اور مشرکین اس انتظار میں تھے کہ ایک نبی روشن دلیل کی صورت میں ان کے پاس آنے والا ہے اور وہ اس پر ایمان لا کر مخالفین سے انتقام لیں گے لیکن وہ نبی کے آنے کے باوجود باطل پر بدستور قائم رہے۔ اس سورت میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ﴾ اسی سے اس کا نام "سورۃ البینۃ" مقرر کیا گیا۔ اس کا نام ابتدائی لفظ سے "سورۃ لم یکن" بھی رکھا گیا ہے۔

99- سورۃ الزلزال: "زلزال" سے مراد سخت جھٹکے دینا اور زور سے ہلانا ہے۔ اس سورت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن زمین انتہائی شدید زلزلوں کی وجہ سے اپنے اندر کی تمام اشیاء باہر نکال دے گی اور قیامت واقع ہو جائے گی۔ اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔

100- سورۃ العٰدیٰت: سورت کی پہلی آیت ﴿ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴾ سے اس کا نام رکھا گیا۔ مراد اس سے مجاہدین کے وہ گھوڑے ہیں جو گرد و غبار اڑاتے ہوئے تیز رفتاری سے دشمنوں کی صفوں میں جا گھستے ہیں۔

101- سورۃ القارعۃ: ''القارعۃ'' کا معنیٰ ''کھٹکھٹانے والی'' ہے۔ اور اس سے مراد قیامت ہے اس سورت میں انتہائی اختصار کے ساتھ قیامت کی ہولناکی کو بیان کیا گیا اور انوکھے انداز سے ابتدا کی گئی ہے۔

102- سورۃ التکاثر: ابتدائی آیت ﴿ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ﴾ سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔ ''تکاثر'' کا معنیٰ ہے ایک دوسرے سے مال کی کثرت میں مقابلہ کرنا۔ اس سورت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان ہمیشہ مال و دولت میں مقابلہ کرنے کی وجہ سے اپنا اصل مقصد حیات کس طرح فراموش کر دیتا ہے۔

103-سورۃ العصر: ''عصر'' سے مراد وقت عصر یا زمانہ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہمیشہ وہی قوم کامیاب ہوتی ہے جو ایمان لائے، عمل صالح کرے، دوسروں کو حق کی وصیت کرے اور مصائب پر صبر کرے۔ ابتدائی لفظ ہی سے سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

104- سورۃ الھُمزۃ: ''ھُمَزَۃ'' سے مراد دوسروں کی عزت کم کرنے کے لیے تہمت اور الزام لگانے والا ہے۔ اس میں غیبت کرنے اور تہمت لگانے والے کو وعید سنائی گئی ہے اور ابتدائی آیت ہی سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔

105- سورۃ الفیل: اس سورت میں ''اصحاب الفیل'' یمن کے عیسائی حکمران ابرہہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو لشکر جرار لے کر بیت اللہ کو گرانے کا ارادہ رکھتا تھا تو اللہ نے چھوٹے پرندوں کے ذریعے سے اس کو تباہ و برباد کیا اور اسی وجہ سے اس کا

نام "سورة الفیل" رکھا گیا ہے۔

106- سورة قریش: نبی ﷺ کا تعلق خاندان قریش سے تھا۔ ابتدا میں آپ ﷺ کے خاندان قریش نے آپ کی مخالفت کی تو اس سورت میں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد کرائے گئے اور حق قبول کرنے کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ پہلی آیت ہی سے سورت کا نام اخذ کیا گیا ہے۔

107- سورة الماعون: "ماعون" سے مراد استعمال کی معمولی اشیاء ہیں۔ اس سورت میں استعمال کی معمولی اشیاء کو رعایتاً نہ دینے پر مذمت کی گئی ہے اور اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو معمولی اشیاء کی قربانی نہیں دے سکتا وہ بڑی چیزوں کی قربانی کیسے دے گا۔ اس سورت کا نام "اَرَأَیْتَ" اور "الدّین" بھی رکھا گیا ہے۔

108- سورة الکوثر: "کوثر" حوض کا نام ہے جو نبی ﷺ کو قیامت کے دن عطا کیا جائے گا اور آپ ﷺ اس سے اپنے ماننے والوں کو اپنے دست مبارک سے جام پلائیں گے۔ اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔

109- سورة الکافرون: کافروں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو پیش کش کی کہ آپ ہمارے معبودوں کی مخالفت نہ کیا کریں اور کچھ لو اور کچھ دو والا طریقہ اپنا لیں تو اس پر کفار کو واضح طور پر بتلا دیا گیا کہ ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ "جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اس کی عبادت نہیں کرسکتا۔" اس کی ابتدائی آیت ہی سے اس کا نام ماخوذ ہے۔

110- سورة النصر: اس سورت میں ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ فرما کر اللہ تعالیٰ نے نصرت و تائید اور اشاعت اسلام کی خبر دی ہے اور اسی سے سورت کا نام "سورة النصر" مقرر کیا گیا ہے۔

111- سورۃ اللھب: اس سورت میں ابولہب کی ہلاکت وتباہی کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ابولہب نبی ﷺ کا چچا تھا جس کا نام عبدالعزیٰ تھا اس کے رخسار کا رنگ آگ کے شعلوں کی طرح تھا جس وجہ سے اس کو ابولہب کہا جاتا تھا۔اس سے اس کا نام ''سورۃ اللھب'' رکھا گیا ہے۔اس کی ابتدا ''تَبَّتْ'' سے ہوتی ہے اس لیے اس کا نام ''تَبَّتْ'' اور ''مَسَد'' بھی ہے۔

112- سورۃ الاخلاص: ''اخلاص'' کے معنی صاف وشفاف اور بغیر آمیزش کے ہیں۔اس سورت میں انتہائی اختصار اور صاف شفاف طریقے سے توحید واضح کی گئی ہے اور شرک کی بیخ کنی کی گئی ہے۔اس کے بہت زیادہ فضائل ہیں۔علامہ آلوسی نے اس کے بیس نام بیان کیے ہیں۔

113- سورۃ الفلق: سورت کی ابتدا ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ سے کی گئی ہے۔ ''فلق'' کا معنی صبح کا پھوٹنا ہے۔اسی سے اس کا نام ''سورۃ الفلق'' رکھا گیا ہے۔ اس سورت میں بتلایا گیا ہے کہ اندھیروں کو پھاڑ کر صبح لانے والے رب کی پناہ طلب کرو ہر اس شر سے جو انسان کو ظلمت کے اندھیروں کی طرف لے جائے۔اس کو ''سورۃ المعوذۃ'' بھی کہتے ہیں۔

114- سورۃ الناس: پہلی آیت ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے۔اس سورت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ لوگوں کے رب کی پناہ طلب کرو دلوں میں برے خیالات ڈالنے والے کے شر سے۔اس سورت کو بھی ''سورۃ المعوذۃ'' کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی سورتیں، آیات، کلمات اور حروف

سوال: قرآن مجید کی سورتوں، آیات، کلمات اور حروف کی تعداد مع اختلاف لکھیں۔

جواب: راجح قول کے مطابق قرآن مجید میں ۱۱۴ سورتیں ہیں۔

آیات کی تعداد: قرآن کریم کی آیات کی تعداد کے بارے میں درج ذیل اقوال ہیں:

- اکثر علماء کے نزدیک کل آیات چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) ہیں۔
- بعض کے نزدیک چھ ہزار چھ سو سولہ (6616) آیات ہیں۔
- بعض کے نزدیک چھ ہزار دو سو سولہ (6216) آیات ہیں۔
- بعض کے نزدیک چھ ہزار دو سو سینتیس (6237) آیات ہیں۔

کلمات کی تعداد: قرآن پاک کے کلمات کی تعداد کے بارے میں درج ذیل مشہور اقوال ہیں:

- ستتر ہزار نو سو تینتیس (77933)
- ستتر ہزار چار سو سینتیس (77437)
- ستتر ہزار دو سو ستتر (77277)

حروف کی تعداد: اس میں مشہور قول دو ہیں:

- تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو اکہتر (323671)
- تین لاکھ تیئیس ہزار سات سو ساٹھ (323760)

سوال: سورتوں کی ترتیب اور اقسام کے بارے میں نوٹ لکھیں۔

جواب: سورتوں کی ترتیب: قرآن مجید کی آیات کی ترتیب اور سورتوں کی ترتیب کو

جاننا بہت ضروری ہے۔ مفسرین اور علماء کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے یعنی نبی ﷺ نے جبرئیل کی اطلاع کے مطابق ہر سورت کے اندر آیات کو مرتب کیا اور کئی ایک احادیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے۔ البتہ سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے کہ موجودہ مصحف کی ترتیب بھی رسول اللہ ﷺ نے بتلائی تھی یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے ایسا کیا ہے۔

سورتوں کی اقسام: قرآن پاک کی سورتوں کی مختلف اقسام بنائی گئی ہیں' مثلاً:

1- طَوَاسِیم: وہ سورتیں جو ''طٰسٓ'' یا ''طٰسٓمٓ'' سے شروع ہوتی ہیں۔

2- حَوَامِیم: وہ سورتیں جو ''حٰمٓ'' سے شروع ہوتی ہیں۔

3- مُسَبَّحَات: وہ سورتیں جو ''سَبَّحَ'' یا ''یُسَبِّحُ'' سے شروع ہوتی ہیں۔

4- العِتَاقُ الاُوَل: یہ پانچ سورتیں ہیں: ①بنی اسرائیل ②الکھف ③ مریم ④ طٰہٰ ⑤ الانبیاء-

قرآن مجید کی سورتوں کو ایک اور انداز سے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

1- اَلسَّبْعُ الطِّوَال: سورۂ فاتحہ کے بعد والی سات لمبی سورتوں کو ''سبع الطوال'' کہتے ہیں۔

2- المِئِین: وہ سورتیں جن کی آیات سو (100) یا اس سے زیادہ ہوں (''سبع الطوال'' کے علاوہ) ان کو ''المئین'' کہتے ہیں۔

3- المَثَانِی: وہ سورتیں جن کی آیات سو (100) سے کم ہوں ان کو مثانی کہتے ہیں۔ ''مثانی'' کا معنی ہے بار بار دہرائی جانے والی۔ یہ ''طوال اور مئین کی نسبت زیادہ دہرائی جاتی ہیں یا ان میں احکام و قصص کو تکرار سے بیان کیا گیا ہے اس لیے ان کو مثانی کہتے ہیں۔

4- اَلْمُفَصَّل: سورۃ قٓ یا سورۃ الحجرات سے سورۃ الناس تک کا حصہ مفصل کہلاتا ہے۔اس کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

1- طِوَالُ الْمُفَصَّل: سورۃ الحجرات یا سورۃ قٓ سے سورۃ البروج تک۔

2- اَوْسَاطُ الْمُفَصَّل: سورۃ البروج سے سورۃ البینۃ تک۔

3- قِصَارُ الْمُفَصَّل: سورۃ البینۃ سے سورۃ الناس تک۔

سوال: قرآن مجید کی سورتوں' آیات' کلمات اور حروف کے اعتبار سے قرآن کا نصف کہاں ہوتا ہے؟

جواب: 1- سورتوں کی گنتی کے اعتبار سے ''سورۃ الحدید'' پر پہلا نصف ختم ہوتا ہے اور ''سورۃ المجادلۃ'' سے دوسرا نصف شروع ہوتا ہے۔

2- آیات کے اعتبار سے سورۃ الشعراء کی آیت 45: ﴿ فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴾ تک نصف اول ہوتا ہے اور ﴿ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجِدِیْنَ ﴾ (آیت:46) سے دوسرا نصف شروع ہوتا ہے۔

3- کلمات کے اعتبار سے سورۃ الحج کی آیت نمبر 20 کے کلمہ ﴿وَالْجُلُوْدُ﴾ پر نصف اوّل ختم ہوتا ہے اور آیت نمبر 21 کے کلمہ ﴿وَلَهُمْ مَّقَامِعُ﴾ سے دوسرا نصف شروع ہوتا ہے۔

4- حروف کے اعتبار سے نصف کے بارے میں دو قول ہیں:

- سورۃ الکھف آیت نمبر 19 کے لفظ ﴿وَلْیَتَلَطَّفْ﴾ پر نصف اول مکمل ہوتا ہے۔
- سورۃ الکھف آیت نمبر 74 کے لفظ ﴿ نُكْرًا ﴾ کے کاف پر نصف اول مکمل ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی مختلف قراءات

سوال: قرآن مجید سات قراءتوں میں نازل ہوا۔ اس کی وضاحت کریں۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تلاوت میں آسانی پیدا کرنے کے لیے اس امت پر یہ احسان کیا کہ قرآن مجید کے بعض الفاظ کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کے مختلف قبائل تھے۔ اگرچہ تمام قبائل کی زبان عربی تھی لیکن بعض الفاظ اور لہجوں میں بہت فرق تھا۔ بعض اوقات ایک قبیلے کا آدمی دوسرے قبیلے کے بعض الفاظ ادا نہ کرسکتا تھا' اس لیے قرآن مجید کی قراءت میں وسعت پیدا کردی گئی ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلٰى حَرْفٍ، فَرَاجَعْتُهُ، فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ فَيَزِيدُنِي ، حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ»
(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب أنزل القرآن على سبعة أحرف، ح: ٤٩٩١ وصحيح مسلم ، صلاة المسافرين ، باب بيان أن القرآن أنزل على سبعة أحرف وبيان معناها، ح: ٨١٩)

''جبرئیل نے مجھے قرآن ایک قراءت میں پڑھایا۔ تو میں مسلسل زیادہ قراءتوں میں قرآن پڑھنے کا مطالبہ کرتا رہا یہاں تک کہ سات قراءتوں تک اجازت لے لی۔''

اور ایک روایت میں ہے:

«إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَأُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ»(صحيح البخاري ، فضائل القرآن ، باب أنزل

القرآن علی سبعة أحرف، ح :٤٩٩٢ وصحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب بیان أن القرآن أنزل علی سبعة أحرف وبیان معناها، ح :٨١٨)

''یہ قرآن سات قراءتوں میں نازل کیا گیا ہے ان میں سے جو قراءت بھی تمہیں آسان معلوم ہو اسی کے مطابق پڑھ لو۔''

''سَبْعَةِ أَحْرُفٍ'' کے مفہوم میں اہل علم کا اختلاف ہے۔اس میں مختلف اقوال ہیں۔لیکن محققین کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ قرآن مجید کی جو قراءتیں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں' ان میں باہمی فرق واختلاف درج ذیل سات نوعیّتوں کا ہے۔

1- اسماء کا اختلاف: اس سے مراد مفرد' تثنیہ' جمع اور تذکیر وتانیث کا اختلاف ہے' مثلاً ایک قراءت میں ﴿تَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ﴾ ہے اور ایک میں ﴿تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ﴾ ہے۔

2- افعال کا اختلاف: کسی قراءت میں فعل ماضی' کسی میں فعل مضارع یا امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔اسی طرح باب کا مختلف ہونا بھی اسی میں شامل ہے مثلاً ایک قراءت میں: ﴿رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا﴾ اور دوسری میں: ﴿بَعَّدَ بَيْنَ أَسْفَارِنَا﴾ ہے۔

3- وجوہ اعراب کا اختلاف: مختلف قراءتوں میں اعراب یعنی زبر' زیر اور پیش کا اختلاف ہے' مثلاً ایک قراءت میں ﴿وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ﴾ اور دوسری میں ﴿وَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ﴾ ہے۔اسی طرح ایک قراءت: ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدِ﴾ ہے اور دوسری قراءت میں ﴿الْمَجِيدُ﴾ ہے۔

4- الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف: ایک قراءت میں کم الفاظ اور دوسری میں زیادہ ہیں' مثلاً ایک قراءت میں ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى﴾ ہے اور دوسری میں

﴿وَالذَّكَرِ وَالأُنْثٰى﴾ ہے یعنی دوسری میں "مَا خَلَقَ" نہیں ہے۔ اسی طرح ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ﴾ اور دوسری میں ﴿تَجْرِیْ تَحْتَهَا الأَنْهَارُ﴾ ہے۔

5- تقدیم وتاخیر کا اختلاف: یعنی ایک قراءت میں کوئی لفظ مقدم اور دوسری میں موخر ہو' مثلاً: ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ اور ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الحَقِّ بِالْمَوْتِ﴾ ہے۔

6- بدلیت کا اختلاف: یعنی ایک قراءت والے لفظ کے بدلے دوسری قراءت میں کوئی اور لفظ ہو۔ مثلاً ﴿نُنْشِزُهَا﴾ اور ﴿نَنْشُرُهَا﴾ اسی طرح ﴿طَلْحٍ﴾ اور ﴿طَلْعٍ﴾ ہے۔

7- لہجوں کا اختلاف: اس میں تفخیم وترقیق' امالہ' مد' قصر' اظہار اور ادغام وغیرہ کا اختلاف شامل ہے' مثلاً ایک قراءت میں ہے "موسیٰ" اور دوسری میں ہے "موسَیٰ" اسی طرح "مَجْرَیٰهَا" اور "مَجْرٰهَا" ہے۔

نوٹ: بعض مفسرین کے نزدیک ان سات حروف (قراءتوں) کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں آیات کی معنوی طور پر سات قسمیں ہیں لیکن ان میں بھی اختلاف ہے۔ چند ایک مشہور اقوال درج ذیل ہیں:

- ان حروف سے مراد یہ چیزیں ہیں: امر' نہی' حلال' حرام' محکم' متشابہ اور امثال۔
- ان سے مراد یہ امور ہیں: وعدہ' وعید' حلال' حرام' مواعظ' امثال اور احتجاج۔
- ان سے مراد یہ امور ہیں: محکم' متشابہ' ناسخ' منسوخ' عموم' خصوص اور قصص۔
- ان سے مراد یہ امور ہیں: مطلق' مقید' عام' خاص' مشترک' مؤول اور ناسخ ومنسوخ۔

اس قسم کے چالیس اقوال ہیں لیکن یہ تمام مرجوح ہیں اور جن اقوال کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ راجح ہیں۔[1]

قراءتوں کے بارے میں مزید وضاحت: چونکہ ابتدائے اسلام میں لوگ اسلوب قرآن سے پوری طرح واقف نہ تھے اس لیے ان سات اقسام کے دائرے میں بہت سی قراءتوں کی اجازت دی گئی تھی۔ نبی ﷺ کا معمول تھا کہ ہر سال رمضان المبارک میں جبرئیل کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی' اس سال آپ نے دو بار دور کیا۔ اس موقع پر بہت سی قراءتیں منسوخ کر دی گئیں اور چند قراءتیں باقی رکھی گئیں جو اب تک متواتر چلی آ رہی ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تلاوت قرآن کے معاملے میں غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے اپنے عہد خلافت میں قرآن مجید کے سات نسخے تیار کروائے اور ان میں تمام قراءتوں کو اس طرح جمع کروایا کہ قرآن کریم کی آیات پر نقطے اور حرکات نہیں ڈالے گئے تھے تاکہ ان مذکورہ قراءتوں میں سے جس طرح کوئی شخص پڑھنا چاہے پڑھ سکے۔ اکثر قراءتیں اس رسم الخط میں سما گئی تھیں اور جو قراءتیں اس رسم الخط میں نہ سما سکیں ان کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ بتایا کہ ایک نسخہ ایک قراءت کے مطابق لکھا اور دوسرا دوسری قراءت کے مطابق۔ علمائے امت نے ان نسخوں میں جمع شدہ قراءتوں کے یاد کرنے کا اس قدر اہتمام کیا کہ ''علم قراءت'' ایک مستقل فن بن گیا اور سینکڑوں مفسرین اور علماء وحفاظ نے اپنی عمریں اس میں صرف کر دیں۔ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے سات نسخے مختلف علاقوں میں بھیجے تو ان کے ساتھ ایسے قرائے کرام کو بھی بھیجا جو ان کی تلاوت سکھلائیں چنانچہ یہ قراء حضرات

---

① مناهل العرفان فی علوم القرآن' المبحث السادس فی نزول القرآن علی سبعة احرف

مختلف علاقوں میں پہنچے اور ہر ایک نے اپنی اپنی قراءت کے مطابق پڑھانا شروع کر دیا اور یہی قراءتیں لوگوں میں مشہور ہو گئیں اور ہر علاقے کے لوگ ان میں کمال حاصل کرنے کے لیے ائمہ قراءت کی طرف رجوع کرنے لگے۔ کسی نے صرف ایک قراءت یاد کی، کسی نے دو اور کسی نے زیادہ۔ البتہ اس سلسلے میں ایک اصول پوری امت میں مسلم تھا اور وہ یہ تھا کہ صرف وہی قراءت قرآن کی حیثیت سے قبول کی جائے گی جس میں تین شرطیں ہوں۔

- مصاحف عثمانی کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو۔
- عربی لغت کے قواعد کے مطابق ہو۔
- اور وہ نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو اور ائمہ قراءت میں مشہور بھی ہو۔

جس قراءت میں مذکورہ شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو اسے قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ بہرحال اسی طرح متواتر قراءتوں کی ایک بڑی تعداد نسل در نسل نقل ہوتی رہی اور سہولت کے لیے یہ بھی ہوا کہ ایک امام نے ایک یا چند قراءتوں کو اختیار کر کے ان کی تعلیم دینی شروع کر دی بعد میں وہی قراءت اس امام کے نام سے منسوب کی جانے لگی، پھر علماء نے ان قراءتوں کو جمع کر کے کتابیں لکھنا شروع کر دیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: ابن مجاہد نے فن قراءت میں ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے صرف سات قراءتیں ذکر کیں، جب کہ اس سے پہلے کئی کتابیں لکھی گئی تھیں جن میں قراءتوں کی تعداد بیس سے زیادہ ذکر کی گئی تھی۔ ابن مجاہد کی سات قراءتیں اتنی مشہور ہوئیں کہ لوگ سمجھنے لگے کہ صحیح اور متواتر قراءتیں صرف یہی ہیں، حالانکہ حقیقت میں ابن مجاہد نے محض اتفاقاً ان سات قراءتوں کو جمع کیا تھا۔ ان کا خیال ہرگز یہ نہیں تھا کہ دوسری قراءتیں غلط یا ناقابل قبول ہیں۔

سات قراء: علامہ ابن مجاہد کے اس کام سے جو سات قاری زیادہ مشہور ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

1- عبداللہ بن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 120ھ): ان کی قراءت مکہ میں زیادہ مشہور تھی۔

2- نافع بن عبدالرحمان بن ابونعیم مدنی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 169ھ): ان کی قراءت مدینہ میں زیادہ مشہور تھی۔

3- عبداللہ بن عامر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 118ھ): یہ ابن عامر کے نام سے مشہور تھے۔ان کی قراءت شام میں زیادہ مشہور تھی۔

4- ابوعمرو بن العلاء بن عمار بصری مازنی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 154ھ): ان کی قراءت بصرہ میں مشہور تھی۔

5- ابوعمارہ حمزہ بن حبیب زیّات کوفی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 156ھ): ان کی قراءت کوفہ میں زیادہ مشہور تھی۔

6- عاصم بن ابوالنجو داسدی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 127ھ): ان کی قراءت کوفہ میں مشہور تھی اور آج کل برصغیر میں قراءت کا دارومدار عموماً ان کی طرز پر ہے۔

7- ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی کوفی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 189ھ): ان کی قراءت بھی کوفہ میں مشہور تھی۔

جب یہ بات مشہور ہوگئی کہ قرآن پاک کی سات ہی قراءتیں ہیں تو اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے علماء نے دس قراءتوں کو جمع کیا اور وہ ''قراءت عشرہ'' کی اصطلاح سے مشہور ہوئیں۔مزید تین قراءتیں درج ذیل ہیں:

1- ابومحمد یعقوب بن اسحاق حضرمی رحمۃ اللہ علیہ (205ھ) کی قراءت بصرہ میں مشہور تھی۔

2- خلف بن ہشام بزار بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (229ھ) کی قراءت کوفہ میں مشہور تھی۔
3- ابوجعفر یزید بن قعقاع رحمۃ اللہ علیہ (128ھ) کی قراءت مدینہ میں مشہور تھی۔

بعض نے چودہ قراءتیں جمع کی ہیں اوران چار کا اضافہ کیا ہے:

1- حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (110ھ) کی قراءت بصرہ میں مشہور تھی۔
2- محمد بن عبدالرحمان رحمۃ اللہ علیہ (123ھ) کی قراءت مکہ میں مشہور تھی۔
3- یحییٰ بن مبارک یزیدی رحمۃ اللہ علیہ (202ھ) کی قراءت بصرہ میں مشہور تھی۔
4- ابوالفرج شنبوذی رحمۃ اللہ علیہ (388ھ) کی قراءت بغداد میں مشہور تھی۔

نوٹ: پہلی دس قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں اور باقی چار شاذ ہیں۔

ناسخ اور منسوخ کا بیان

سوال: نسخ کا لغوی و اصطلاحی معنی بیان کر کے اس کا نقلی و عقلی ثبوت پیش کریں۔

جواب: لغت میں نسخ کا معنی مٹانا اور ازالہ کرنا ہے۔

اصطلاحی معنی:

«رَفْعُ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ بِدَلِيلٍ شَرْعِيٍّ»(مناهل العرفان في علوم القرآن، المبحث الرابع عشر)

''کسی شرعی حکم کو شرعی دلیل کے ساتھ ختم کر دینا۔''

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی زمانے کے حالات کے مناسب ایک شرعی حکم نافذ کرتے ہیں۔ پھر کسی دوسرے زمانے میں اپنی حکمت کے پیش نظر اس حکم کو ختم کر کے اس کی جگہ نیا حکم صادر فرماتے ہیں۔ اس عمل کو ''نسخ'' کہا جاتا ہے اور پہلے حکم کو ''منسوخ'' اور دوسرے کو ''ناسخ'' کہتے ہیں۔

نسخ کا عقلی و نقلی ثبوت: یہودیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے احکام میں نسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے خیال کے مطابق نسخ کو تسلیم کرنے سے ''بداء'' لازم آئے گا یعنی یہ خرابی لازم آئے گی کہ گویا اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم غلطی سے نافذ کر دیا اور پھر غلطی واضح ہونے پر اسے واپس لے لیا اور رائے تبدیل کر لی۔

یہودیوں کا یہ اعتراض انتہائی سطحی قسم کا ہے' اس لیے کہ نسخ کا معنی ''رائے کی تبدیلی'' نہیں ہے' بلکہ نسخ کا مفہوم ہر زمان و مکان کے مناسب حکم نافذ کرنا ہے۔ ناسخ کا کام منسوخ کو غلط قرار دینا نہیں ہوتا بلکہ حکم کے نفاذ کی مدت کو متعین کرنا ہوتا

ہے اور احکام کی یہ تبدیلی عیب نہیں ہے بلکہ حکمت الٰہی کے عین مطابق ہے کیونکہ حکیم وہ نہیں ہوتا جو ہر قسم کے حالات میں ایک ہی نسخہ اور ایک ہی دوا تجویز کرتا رہے بلکہ حکیم وہ ہوتا ہے جو مریض اور مرض کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق نسخہ متعین کرتا جائے۔

اور یہ بات صرف شرعی احکام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ کائنات کا پورا نظام اسی اصول کے تحت چل رہا ہے' مثلاً گرمی' سردی' بہار' خزاں' خشک سالی' فراوانی یہ تمام امور حکمت الٰہی کی وجہ سے تبدیل کیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اسے بھی ''بداء'' کہہ دے کہ نعوذ باللہ اللہ نے پہلے گرمی کا فیصلہ کیا' پھر اسے پتہ چلا کہ سردی کا موسم لانا بہتر ہے' تو ایسے شخص کو احمق ہی کہا جائے گا' بعینہ شرعی احکام کے نسخ کا حال ہے کہ ایک حکم کسی خاص زمان و مکان کے لیے تو مناسب تھا لیکن دوسرے زمان و مکان کے مناسب نہ رہا' اس لیے اس میں تبدیلی کر دی گئی اور نسخ صرف اس شریعت کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ سابقہ انبیائے کرام کی شریعتوں میں بھی ناسخ و منسوخ کا سلسلہ جاری تھا' مثلاً بائبل کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں کا بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ خود حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں ''لیاہ اور راحیل'' آپس میں بہنیں تھیں [1] لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اسے ناجائز قرار دیا گیا۔ [2]

سوال: متقدمین اور متاخرین کے نزدیک نسخ کی اصطلاح میں کیا فرق ہے؟ منسوخ آیات کی تعداد اور اقسام بیان کریں۔

---

① بائبل' کتاب پیدائش' ص: 29' آیت: 23 تا 30

② احبار: 18

جواب: نسخ کی اصطلاح میں متقدمین اور متاخرین کا کافی اختلاف ہے۔

متقدمین کی اصطلاح: علمائے متقدمین نسخ کو لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے یعنی ''اِزَالَةُ الشَّیءِ بِالشَّیءِ'' یعنی ایک آیت کے بعض اوصاف کو دوسری آیت سے زائل کر دینا' جیسے عام کو خاص اور مطلق کو مقید کر دینا' مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرة:2/221)

اس آیت میں مشرکہ عورت سے نکاح کی حرمت کا بیان ہے اور ''مشرکات'' میں عموم ہے خواہ وہ عورت بت پرست ہو یا اہل کتاب میں سے ہو اور دوسری آیت میں اس کی تخصیص آ گئی:

﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ (المائدة:5/5)

یعنی تمہارے لیے اہل کتاب کی باعفت' پاکدامن عورتیں نکاح میں لانا جائز ہے۔

متقدمین اس تخصیص کو بھی ''نسخ'' میں شامل کر دیتے ہیں۔

متاخرین کی اصطلاح: علمائے متاخرین کے نزدیک ''نسخ'' کے مفہوم میں اتنی وسعت نہیں ہے بلکہ وہ سابقہ حکم کے کلی طور پر ختم کر دینے کو نسخ کہتے ہیں محض عام کو خاص کرنا اور مطلق کو مقید کرنا ان کے نزدیک ''نسخ'' نہیں ہے۔

منسوخ آیات کی تعداد: متقدمین کی اصطلاح میں نسخ کا مفہوم بہت وسیع تھا' اس لیے ان کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے حتی کہ بعض نے پانچ سو آیات کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن متاخرین کی اصطلاح اتنی وسیع نہیں ہے' اس لیے انہوں نے بہت کم آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے متاخرین کی اصطلاح کے مطابق صرف انیس آیات کو منسوخ قرار دیا

ہے جبکہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف پانچ آیات کے منسوخ ہونے کو تسلیم کیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ○ ﴾ (البقرة:2/180)

اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ○ ﴾ (النساء:4/11)

دوسری آیت:

﴿ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ○ ﴾ (الانفال:8/65)

اس کی ناسخ بعد والی آیت ہے:

﴿ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○ ﴾ (الانفال:8/66)

تیسری آیت: ﴿ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ

اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝﴾ (الاحزاب:33/52)

اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

(الاحزاب:33/50)

نوٹ: اس جگہ منسوخ آیت کا حکم اگرچہ پہلے ہی تھا لیکن تلاوت میں ناسخ کے بعد رکھی گئی ہے۔

چوتھی آیت: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (المجادلة:58/12)

اس کی ناسخ بعد والی آیت ہے:

﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (المجادلة:58/13)

پانچویں آیت: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ

خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○﴾ (البقرة:2/240)

اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○﴾ (البقرة:2/234)

منسوخ آیات کی اقسام: منسوخ آیات کی تین قسمیں ہیں:

1- وہ آیات جن کی قراءت اور حکم دونوں منسوخ ہیں، مثلاً سورۃ الاحزاب کا بعض حصہ۔

2- جن کی قراءت باقی اور حکم منسوخ ہوگیا۔ مثلاً

﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○﴾ (الانفال:8/65)

3- جن آیات کی قراءت منسوخ اور حکم باقی ہے، جیسے سورۃ الاحزاب میں یہ آیت تھی:

«اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالاً مِنَ اللهِ وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ» (الاتقان في علوم القرآن: ٢/ ٢٨ ... ٣٢)

عہد رسالت اور خلفاء کے دور میں حفاظت قرآن اور تدوین قرآن

سوال: عہد رسالت میں قرآن کی حفاظت کس طرح کی گئی؟ اس پر مختصر اور جامع نوٹ لکھیں۔

جواب: قرآن کریم ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا بلکہ تدریجاً تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا اس لیے عہد رسالت میں ممکن ہی نہیں تھا کہ شروع ہی سے اسے کتابی شکل میں محفوظ کرلیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں قرآن پاک کی حفاظت کے لیے سب سے زیادہ زور حفظ پر دیا جاتا تھا۔ خود نبی ﷺ کا یہ حال تھا کہ شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس کے الفاظ کو اسی وقت دہرانے لگتے تاکہ اچھی طرح حفظ ہو جائے اور کوئی لفظ بھول نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝﴾

(القیامۃ:75/16-19)

''(اے نبی) آپ اس قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں' اس کو (دل میں) جمع کرنا اور زبان سے پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے' پھر جب ہم اسے پڑھوا چکیں تو پھر اسی طرح پڑھا کریں' پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ذمے ہے۔''

یعنی آپ پریشان نہ ہوں' حفظ کروانا ہماری ذمہ داری ہے' چنانچہ نبی ﷺ کا سینہ

مبارک قرآن پاک کی حفاظت کا سب سے بڑا خزانہ تھا جس میں مکمل قرآن محفوظ تھا اور کسی ادنیٰ غلطی یا تغیر کا امکان بھی نہ تھا اور پھر آپ ﷺ مزید احتیاط کے لیے ہر سال رمضان المبارک میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔

اسی طرح آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صرف قرآن کے معانی کی تعلیم ہی نہ دی تھی بلکہ ان کو الفاظ قرآن بھی اچھی طرح یاد کروائے تھے اور خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ایک دوسرے سے بڑھ کر حفظ قرآن کا شوق تھا اور اسی کی فکر دامن گیر رہتی تھی حتی کہ بعض صحابیات رضی اللہ عنہن نے اپنا حق مہر یہ ٹھہرایا کہ ہمیں چند سورتیں حفظ کرادی جائیں۔ جو شخص اسلام قبول کرتا آپ اسے انصاریوں کے سپرد کر دیتے تاکہ وہ اسے قرآن مجید سکھلائیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کے قیام میں تلاوت قرآن کثرت سے کرتے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں حفاظ کرام کی بہت بڑی جماعت تیار ہوگئی تھی۔

عہد رسالت میں حفاظت قرآن کا بڑا ذریعہ حفظ ہی تھا کیونکہ پڑھا لکھا طبقہ بہت کم تھا' نیز ذرائع کتابت بھی مفقود تھے لیکن پھر بھی مکمل قرآن تحریری شکل میں موجود تھا۔

وحی کی کتابت: رسول اللہ ﷺ نے حفظ کروانے کے ساتھ ساتھ کتابت کا اہتمام بھی فرمایا تھا کیونکہ جو کام کتابت کے ذریعے سے ہوتا ہے' کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہوسکتا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے لیے وحی کی کتابت کیا کرتا تھا۔ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کو سخت گرمی محسوس ہوتی اور پسینے سے شرابور ہو جاتے۔ جب وحی کی کیفیت ختم ہوتی تو آپ ﷺ مجھے بلاتے اور وحی لکھواتے۔ میں اسے پتھر یا کسی لکڑی پر لکھ لیتا اور جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو آپ کو سناتا اگر کوئی غلطی ہوتی تو آپ ﷺ اصلاح فرما دیتے۔ ①

① مجمع الزوائد' العلم' باب عرض الكتاب بعد املائه' 152/1' حديث:684

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وحی کی کتابت کرتے تھے مثلاً خلفائے راشدین' ابی بن کعب' زبیر بن عوام' معاویہ بن ابوسفیان' مغیرہ بن شعبہ' خالد بن ولید' ثابت بن قیس اور ابان بن سعید رضی اللہ عنہم۔ تقریباً ۴۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کاتبین وحی میں شمار کیا گیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے وقت یہ بھی ہدایت فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں' فلاں آیت کے بعد لکھ دو۔ اس طرح مکمل قرآن کریم عہد رسالت میں تحریری صورت میں آچکا تھا اگرچہ وہ الگ الگ چیزوں پر مختلف لوگوں کے پاس تھا۔ بہرحال مکمل قرآن محفوظ ہو چکا تھا۔ ①

سوال: خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں تدوین قرآن پر نوٹ لکھیں۔

جواب: جنگ یمامہ میں حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد شہید ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس طرح قرآن پاک کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے' اس لیے قرآن کو ایک جگہ مرتب کروا کے رکھ دیا جائے تاکہ بوقت ضرورت اس سے استفادہ کیا جا سکے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کیسے کر سکتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! یہ کام سراسر بہتر ہے اور اس پر اصرار بھی کیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا اور وہ بھی اس کام پر آمادہ ہوگئے اور انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو یہی واقعہ سنایا تو انہوں نے بھی جواب دیا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا تھا اس کو ہم کیوں کریں؟ لیکن بار بار کے تکرار و اصرار سے اللہ نے ان کا سینہ بھی کھول دیا اور

① مسند احمد' 1/57'69 حدیث: 399'499

وہ اس کام کے لیے راضی ہوگئے اور جمع قرآن کی ذمہ داری بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر ڈال دی گئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ حکم دے دیا جاتا کہ اس پہاڑ کو اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کر دو تو یہ کام جمع قرآن کی نسبت آسان تھا۔ بہرحال حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مختلف اشیاء سے اور مختلف لوگوں سے تحقیق و تفتیش کے بعد قرآن کو جمع کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تقریباً چھ کو اس کام پر مقرر فرمایا کہ وہ بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ تحقیق کریں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ خود بھی حافظ قرآن تھے اور سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حفاظ قرآن تھے لیکن اس کے باوجود جمع قرآن میں اتنی احتیاط کی گئی کہ جو نسخے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائے تھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کو منگواتے اور دوسرے نسخوں سے موازنہ کرتے اور حفاظ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی پیش کرتے۔ بہرحال حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس زبردست احتیاط و محنت کے بعد قرآنی آیات کو جمع کر کے کاغذ کے صحیفوں میں مرتب شکل میں تحریر فرما دیا لیکن ہر سورت علیحدہ علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی تھی لہٰذا صحیفوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اصطلاح میں اس نسخے کو ''ام الصحائف'' کہا جاتا ہے۔ اس صحیفے کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1- اس نسخے میں سورتوں کی آیات کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے موافق تھی لیکن ہر سورت الگ الگ صحیفے میں لکھی گئی تھی۔

2- اس نسخے کو سات قراءتوں کے مطابق جمع کیا گیا۔

3- اس میں وہ تمام آیات جمع کی گئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔ یہ نسخہ زندگی بھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی صاحبزادی

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ ان کی وفات کے بعد اس نسخے کو مروان بن حکم رضی اللہ عنہما نے ختم کر دیا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے مصاحف پھیل چکے تھے اور اس بات پر امت کا اجماع ہو چکا تھا کہ رسم الخط اور سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے ان مصاحف کی تلاوت لازم ہے' چنانچہ مروان بن حکم نے سوچا کہ اب کوئی ایسا نسخہ باقی نہیں رکھنا چاہیے جو اس رسم الخط کے خلاف ہو۔ ①

سوال: خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں تدوین قرآن پر نوٹ لکھیں۔

جواب: قرآن مجید کی سات انداز میں قراءت کو اس لیے جائز رکھا گیا تھا کہ عرب میں مختلف قبائل تھے۔ ایک قبیلے کے ہاں کسی معنی کے لیے کوئی لفظ استعمال کیا جاتا اور دوسرے قبیلے والے اسی معنی کے لیے کوئی اور لفظ استعمال کیا کرتے تھے' مثلاً: ایک قبیلے والے ''كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ'' پڑھتے تو دوسرے قبیلے کے لوگ ''كَالصُّوفِ الْمَنفُوشِ'' پڑھتے تھے۔ اسی طرح الفاظ کی ادائیگی میں بھی اختلاف تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بہت سے علاقے فتح ہوئے اور کئی عجمی لوگ بھی اسلام میں داخل ہوئے اور ہر علاقے والے اپنے علاقے کے علماء سے قرآن اور مسائل سیکھتے۔ پھر جب ان کا آپس میں میل جول شروع ہو گیا تو اختلاف قرآن کی وجہ سے اختلافات پیدا ہونے لگے اور ہر گروہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جنگ میں مشغول تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ قراءتوں کے اختلاف کی بنا پر لوگوں میں اختلاف واقع ہو رہا ہے۔

جب وہ واپس مدینہ آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اے امیر المومنین! قبل اس کے کہ یہ امت یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کر کے مختلف

① فتح الباری: 12/9' 13

فرقوں میں تقسیم ہو جائے' آپ اس کا حل تلاش کیجیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حقیقت حال دریافت کی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر لوگوں کے درمیان قراءتوں کے اختلاف کی بنا پر جھگڑا ہوتے دیکھا ہے' کیونکہ شام کے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت پر قرآن پڑھتے ہیں اور اہل عراق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت پر اور ایک دوسرے کی قراءت سے ناواقفیت کی بنا پر آپس میں اختلاف کرتے ہیں حتی کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا دیتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سے پہلے بھی کچھ ایسی ہی شکایات مل چکی تھیں اور مسلمانوں میں افتراق کا خدشہ ہو چکا تھا اور یہ بھی خطرہ تھا کہ اس اختلاف کو دیکھ کر نو مسلم لوگ ثابت قدم نہ رہ سکیں گے' چنانچہ امیر المومنین نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا اور اپنی رائے بھی پیش کی کہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی مصحف پر اکٹھا کر دینا چاہیے تا کہ اختلاف کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اس مجلس شوری کے فیصلے کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عوام کو جمع کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''تم (میرے قریب) مدینہ میں رہتے ہوئے بھی قراءتوں کے اختلاف کی وجہ سے اختلاف کا شکار ہو جاتے ہو تو دور والے اس سے بڑھ کر اختلاف میں مبتلا ہوں گے' اس لیے ہم نے قرآن مجید کو صرف ایک قراءت میں تحریر کرنے کا فیصلہ کیا ہے لہٰذا تمام لوگ اس کی اقتدا کریں۔''

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار بڑے صحابہ کرام سیدنا زید بن ثابت' سیدنا عبداللہ بن زبیر' سیدنا سعید بن عاص اور سیدنا عبدالرحمان بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو اس

کام کے لیے منتخب کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ انصاری تھے اور باقی تینوں قریشی تھے۔ ان کو امیر المومنین نے یہ حکم دیا کہ صحیفہء ابوبکر لے کر قریش کی قراءت میں قرآن کو جمع کریں۔ جس جگہ زید اور باقی تینوں کا اختلاف ہو جائے تو اس جگہ لغت قریش والا لفظ لکھ دیں کیونکہ قرآن اصل میں لغت قریش میں نازل ہوا ہے' چنانچہ ان چاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انتھک محنت و کاوش کے بعد اس عظیم کام کو سرانجام دیا اور مکمل تحقیق کر کے قرآن مجید کو ایک مصحف کی صورت میں ترتیب دے دیا۔

صحیفہء عثمان رضی اللہ عنہ کی خصوصیات: صحیفہء عثمان رضی اللہ عنہ کی درج ذیل خصوصیات ہیں:

1- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع کردہ صحیفے میں سورتیں الگ الگ تھیں تو صحیفہ عثمانی میں تمام کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا۔

2- قرآن پاک کی آیات ایسے انداز میں لکھیں کہ رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں اس لیے ان پر نقطے اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے۔

3- صحیفہء ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صرف ایک نسخہ تھا جو سرکاری طور پر محفوظ تھا اور صحیفہء عثمانی کے پانچ نسخے تھے بلکہ ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق سات نسخے لکھے گئے جنہیں مکہ' مدینہ' یمن' بحرین' بصرہ' کوفہ اور شام بھیجا گیا۔

4- صحیفہء عثمانی کو تحریر کرتے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحیفے کو بھی سامنے رکھا گیا بلکہ مزید اصل مصاحف دوبارہ منگوائے گئے اور تحقیق کی گئی اور اس مرتبہ سورۃ احزاب کی آیت:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝﴾

(الاحزاب:23/33)

حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے ملی یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس آیت کا علم بھی تھا اور حفظ بھی تھی' اپنے طور پر لکھی ہوئی بھی تھی۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی صرف حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔

سوال: اسلامی تاریخ میں تلاوت قرآن مجید میں آسانی پیدا کرنے کے لیے کون کون سے اقدامات کیے گئے؟

جواب: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ صحیفے میں خط عثمانی کا اہتمام کیا گیا تھا لیکن وہ حرکات و نقاط سے خالی تھا۔ جب عجمی لوگوں نے اسلام قبول کیا تو ان کو بوقت تلاوت حروف کی ادائیگی میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا جس کے ازالے کے لیے نقاط اور حرکات وسکنات کا اہتمام کیا گیا جن کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے:

1- نقاط: پہلے عربوں میں نقطوں کا رواج نہ تھا۔ پڑھنے والے اتنے عادی اور ماہر ہو چکے تھے کہ بغیر نقطوں کے بھی بڑی آسانی سے پڑھ لیتے اور کوئی دشواری محسوس نہ کرتے اور سیاق کلام کی مدد سے مشتبہ الفاظ میں بھی اشتباہ کا خطرہ زائل ہو جاتا کیونکہ ان کا دارومدار صرف کتابت پر نہ تھا بلکہ حافظے پر بھی تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو صحیفے لکھوا کر مختلف علاقوں میں بھجوائے ان کے ساتھ قراء حضرات بھی بھیجے تا کہ وہ قراءت سکھلائیں۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے نقطے کس نے لگوائے۔ بعض کے نزدیک ابوالاسود الدؤلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کام کو سرانجام دیا۔[1] اور بعض کے نزدیک کوفہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیان نے ان سے یہ کام کروایا۔[2] اور ایک روایت کے مطابق حجاج بن یوسف نے حسن بصری' یحییٰ بن

---

① صبح الاعشی: 155/3

② البرهان' ص:250' 251

یعمر اور نصر بن عاصم لیثی کے ذریعے سے یہ کام کروایا۔[1]

2- حرکات: نقطوں کی طرح ابتدائی دور میں حروف پر حرکات وسکنات بھی نہیں ہوتی تھیں جس کی وجہ سے عجمی لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور بعض اوقات خطا بھی ہو جاتی تھی۔ اس غلطی سے بچنے کے لیے اعراب لگانے کی طرف توجہ دی گئی۔ سب سے پہلے اعراب لگانے والے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ کام ابوالاسود الدؤلی نے کیا اور بعض کے نزدیک حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم لیثی رحمۃ اللہ علیہم سے یہ کام کروایا۔ اس بارے میں اور بھی کئی اقوال ہیں لیکن پہلا قول راجح ہے۔ ابتدا میں حرکات وسکنات موجودہ صورت میں نہ تھیں بلکہ ان کی صورتیں مندرجہ ذیل تھیں:

* فتحہ یا نصب (زبر) کے لیے حرف کے اوپر نقطہ لگایا جاتا جو زبر کی علامت ہوتا تھا۔
* جر یا کسرہ (زیر) کے لیے حرف کے نیچے نقطہ لگایا جاتا تھا۔
* ضمہ یا رفع (پیش) کے لیے حرف کے بائیں جانب نقطہ لگایا جاتا تھا۔
* تنوین کے لیے دو نقطے لگائے جاتے تھے۔

اس کے بعد خلیل بن احمد نحوی نے ہمزہ اور شد کی شکلیں وضع کیں اور پھر حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر' نصر بن عاصم لیثی اور حسن بصری سے تمام قرآن کریم پر نقطے اور حرکات وسکنات لگانے کی فرمائش کی۔ تو اس وقت موجودہ ''ــَــِــُ ' ــًــٍــٌ''صورت اختیار کی گئی تا کہ حروف کے ذاتی نقطوں میں التباس اور اختلاط سے بچا جائے۔

4- احزاب یا منازل: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کا عام دستور تھا کہ ایک ہفتہ میں مکمل قرآن پاک کی تلاوت کر لیتے' اس لیے انہوں نے یومیہ تلاوت کے

[1] تفسیر القرطبی: 63/1

لیے قرآن پاک کی سات منزلیں بنائی ہوئی تھیں۔ پھر وہی سات منزلیں مشہور ہوگئیں۔

5- اجزا یا پارے: موجودہ تدوین کی صورت میں قرآن مجید کے تیس اجزا یعنی پارے ہیں لیکن اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکی کہ تیس حصوں میں کس نے اور کس مقصد کے لیے تقسیم کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیس اجزا میں لکھوایا تھا لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں۔ علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے تیس اجزا بڑی دیر سے چلے آرہے ہیں، ہوسکتا ہے صحابہ یا تابعین ہی نے ایسا کیا ہو۔

6- رکوعات: قرون اولی کے نسخوں میں اخماس (پانچ پانچ) اور اعشار (دس دس) کی علامات پائی جاتی تھیں ہر پانچ آیتوں کے بعد ''خمس یاخ'' اور ہر دس آیتوں کے بعد ''عشر یاع'' لکھا جاتا تھا لیکن بعد میں اس علامت کو چھوڑ دیا گیا اور اس کی جگہ رکوع کی علامت (ع) مقرر کردی گئی جو آج تک چلی آرہی ہے۔ اس کے مقرر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جس جگہ کلام کے کسی ایک حصے کا مفہوم مکمل ہو، وہاں یہ علامت لگا دی جائے تاکہ اتنی مقدار نماز میں تلاوت کر لینے کے بعد رکوع کیا جائے۔ (اس سے زیادہ فوائد کا علم نہیں ہوسکا) قرآن کریم میں کل پانچ سوستاون (557) رکوع ہیں ان کے موجد اور وقت ایجاد کا بھی علم نہیں ہوسکا۔

7- رموزِ اوقاف: ہر زبان میں کلام کرتے وقت وقف، عدم وقف کا خیال رکھا جاتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بعض اوقات کلام کا مفہوم بالکل بگڑ جاتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی بعض ایسے مقامات ہیں کہ اگر ان پر وقف نہ کیا جائے تو مفہوم صحیح نہیں رہتا۔ اس طرح کی خامیوں سے بچنے کے لیے آیات کے درمیان یا آخر میں علامات

لگادی گئی ہیں۔ جنھیں ''رموز اوقاف'' کہا جاتا ہے۔ ان کی اہمیت کے پیش نظر قرآن پاک کے آخر میں یہ رموز تفصیل سے لکھے جاتے ہیں تاکہ عجمی لوگ بھی صحیح طرح تلاوت کرسکیں۔

8- طباعت قرآن: جب تک پریس کا آغاز نہیں ہوا تھا' اس وقت تک تو قرآن کریم ہاتھ سے لکھا جاتا رہا' یعنی قلم کے ذریعے سے تحریر کیا جاتا رہا۔ ہر دور میں قرآن کریم کے مصاحف لکھنے کے لیے ایک بڑی جماعت موجود رہی ہے جن کا مشغلہ ہی قرآن پاک کو لکھنا ہوتا تھا اور مختلف انداز میں قرآن پاک کی کتابت کی جاتی تھی۔

جب پریس کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے ہیمبرگ (جرمنی) کے مقام پر ۱۱۱۳ھ میں قرآن پاک کو طبع کیا گیا جس کا ایک نسخہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے۔ اس کے بعد مستشرقین نے قرآن پاک کے کئی نسخے طبع کروائے لیکن اسلامی ممالک میں ان کو زیادہ شہرت حاصل نہ ہوسکی پھر مولای عثمان نے روس کے شہر سینٹ پیٹرز برگ میں ۱۷۸۷ء میں قرآن پاک طبع کروایا۔ اسی طرح قازان میں بھی ایک نسخہ طبع کیا گیا۔ ایران کے شہر تہران میں ۱۸۲۸ء میں بھی ایک نسخہ طبع کیا گیا پھر دنیا بھر میں آہستہ آہستہ مطبوعہ نسخے پھیلتے چلے گئے۔

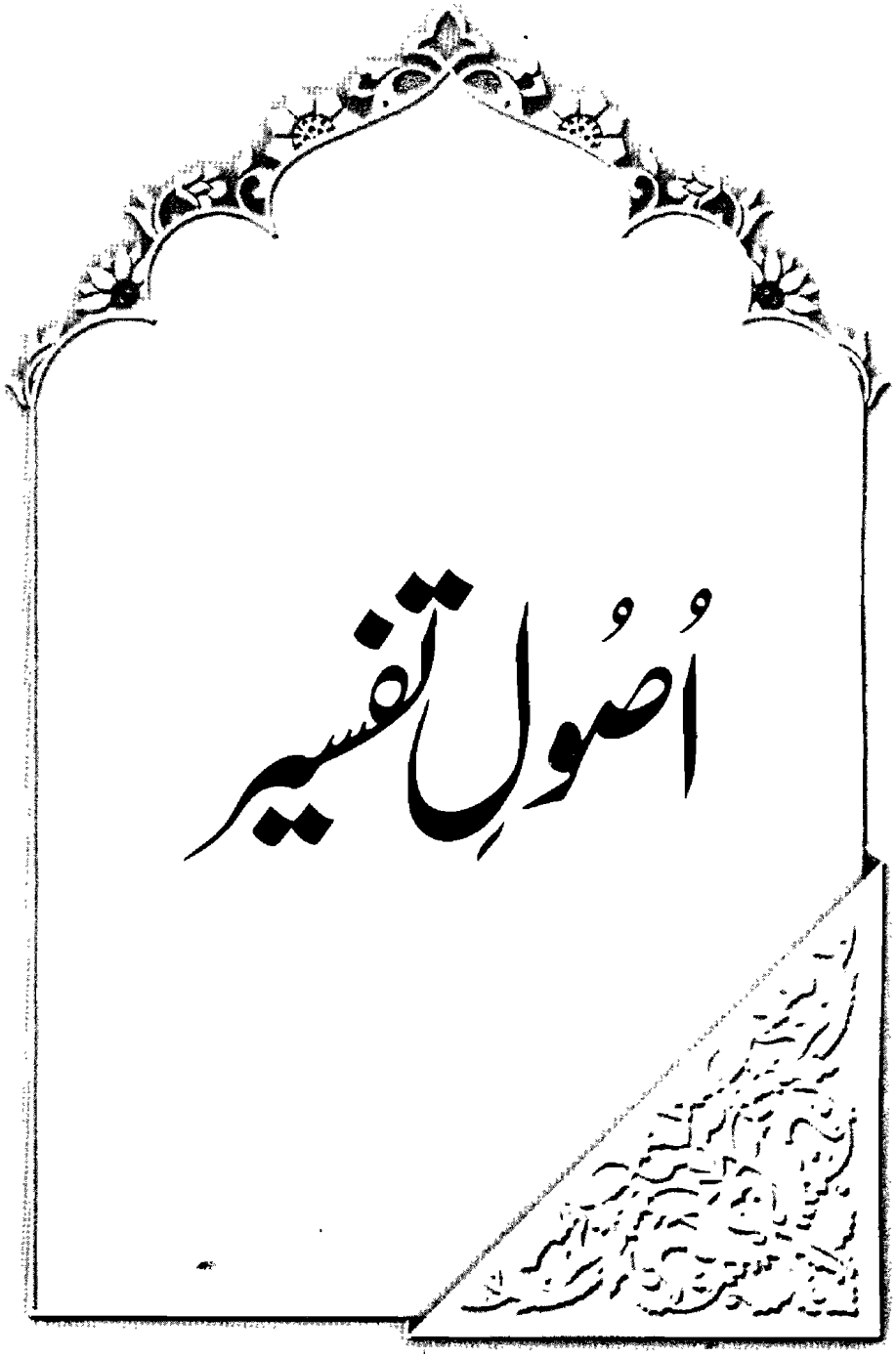
اُصولِ تفسیر

تفسیر وتاویل کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ، موضوع، غرض وغایت اور ان دونوں کے درمیان فرق

سوال: تفسیر اور تاویل کا لغوی واصطلاحی معنی بیان کر کے دونوں میں فرق واضح کریں۔

جواب: تفسیر یہ لفظ ''فَسَّرَ یُفَسِّرُ تَفْسِیرًا'' باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی واضح کرنے اور کھول دینے کے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ۝﴾

(الفرقان:25/33)

''یہ (کافر) آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ تفصیل آپ کو بتادیں گے۔''

اس آیت میں لفظ ''تَفْسِیراً'' بمعنی ''تَفْصِیلاً'' ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی معنی لیا ہے۔

اصطلاحی تعریف: تفسیر کی مفسرین نے مختلف تعریفیں کی ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہے:

«هُوَ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنْ أَحْوَالِ الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ مِنْ حَيْثُ دَلَالَتِهِ عَلٰى مُرَادِ اللهِ تَعَالٰى بِقَدْرِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ» (التفسیر والمفسرون: ۱/۱۵ وقواعد التفسیر: ۱/ ۲۹)

''تفسیر ایسا علم ہے جس میں انسانی طاقت کے مطابق قرآن مجید کے احوال کے بارے میں اس طرح بحث کی جائے کہ اس سے اللہ کی مراد حاصل

ہو جائے۔''

تاویل: یہ لفظ ''اَوَّلَ یُؤَوِّلُ تَأْوِیلًا'' باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی رجوع کرنے کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: تاویل کی تعریف میں متقدمین ومتاخرین کا اختلاف ہے۔

متقدمین کی تعریف: متقدمین سے دو تعریفیں منقول ہیں: 1۔ ''تاویل اور تفسیر دونوں مترادف ہیں'' یعنی جو تعریف تفسیر کی ہے وہی تاویل کی ہے۔ ان مفسرین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ﴾ (آل عمران:3/7)

''حالانکہ ان (محکمات اور متشابہات) کا مفہوم اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔''

2۔ ''کسی کلام سے جو مفہوم اخذ کیا گیا ہو اُسے تاویل کہتے ہیں۔''

متاخرین کی تعریف:

«هُوَ صَرْفُ اللَّفْظِ عَنِ الْمَعْنَى الرَّاجِحِ إِلَى الْمَعْنَى الْمَرْجُوحِ لِدَلِيلٍ يَقْتَرِنُ بِهِ» (التفسير والمفسرون: ١/ ١٨)

''کسی دلیل کے پیش نظر لفظ کے راجح معنی کو ترک کر کے مرجوح معنی مراد لے لینا تاویل کہلاتا ہے۔''

نوٹ: اصول فقہ اور اختلافی مسائل میں تاویل کا معنی متاخرین والا مراد لیا جاتا ہے۔

اس میں تاویل کرنے والا دو چیزوں کا پابند ہوتا ہے:

1- جو معنی وہ مراد لے رہا ہو لفظ اس کا احتمال بھی رکھتا ہو۔

2- وہ دلیل یا قرینہ بیان کرے جس کی وجہ سے اس نے راجح معنی چھوڑ کر مرجوح

معنی مراد لیا ہے، ورنہ وہ تاویل فاسد ہوگی بلکہ تحریف کے زمرہ میں آئے گی۔ ①

تفسیر اور تاویل میں فرق: متقدمین تو دونوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں لیکن متاخرین نے ان دونوں میں کئی انداز سے فرق بیان کیا ہے، مثلاً:

○ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (الف) تفسیر عام ہے اور تاویل خاص ہے یعنی تفسیر کا لفظ عموماً الفاظ کے لیے اور تاویل کا لفظ معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(ب) تفسیر کا عام طور پر استعمال ''مفردات'' میں ہوتا ہے اور تاویل کا اطلاق ''جملوں'' پر ہوتا ہے۔

○ امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس میں یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی مراد معلوم ہو اسے تفسیر کہتے ہیں اور جس میں مختلف احتمالات رکھنے والے معانی میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے لیکن یقینی فیصلہ نہ کیا جائے تو اسے تاویل کہتے ہیں۔

○ امام ابوطالب ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس معنی کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہو خواہ وہ حقیقی ہو یا مجازی، اسے بیان کرنا ''تفسیر'' کہلاتا ہے اور کسی لفظ کے باطنی اور مخفی معنی کے واضح کرنے کو تاویل کہتے ہیں۔

○ امام بغوی اور الکواشی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: آیت سے ایسا معنی مراد لینا جس کی اس میں گنجائش ہو اور وہ آیت کے سیاق وسباق کے مطابق ہو، نیز قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو، اسے ''تاویل'' کہتے ہیں۔ اور کسی آیت کے سبب نزول اور واقعہ کے متعلقہ ذکر و بیان کو ''تفسیر'' کہتے ہیں۔

○ بعض کے نزدیک تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تاویل کا تعلق درایت سے ہے۔

○ بعض کے نزدیک جو مفہوم ترتیب عبارت سے حاصل ہو وہ تفسیر کہلائے گا اور جو

① التفسیر المفسرون: 18/1

مفہوم ترتیب عبارت سے اشارتاً حاصل ہو وہ تاویل کہلائے گا۔ ①

نوٹ: مذکورہ اقوال میں سے آخری قول زیادہ راجح ہے کیونکہ تفسیر کی تعریف یہ کی جاتی ہے:

''آیت کی اس طرح وضاحت کرنا کہ اس سے مراد ربانی کا اظہار قطعیّت اور وثوق سے ہو جائے۔''

اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہوگا جب خود رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایتاً منقول ہو جب کہ تاویل میں یہ بات ملحوظ نہیں ہوتی بلکہ اس میں تو ایک لفظ میں جس قدر بھی معانی کی گنجائش ہو ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے اور ترجیح کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے اور اجتہاد میں لغت عرب اور سیاق وسباق کی طرف احتیاج ہوتی ہے جس کا تعلق درایت سے ہے۔

سوال: تفسیر کا موضوع اور غرض وغایت بیان کریں؟

جواب: تفسیر کا موضوع ''کلام اللہ'' ہے کیونکہ اس سے مقصود قرآن کو سمجھ کر اس کے معانی کی حقیقت کو جاننا ہوتا ہے' اس لیے کلام اللہ کے الفاظ کی وضاحت ہی اس علم کا موضوع ہے۔

غرض وغایت: اس علم کی غرض وغایت ''کلام اللہ'' کے معانی ومطالب کو معلوم کرنا ہے۔

① التفسیر والمفسرون: 1/19' 20

ترجمے کا معنی ومفہوم اور اس کی اقسام وشرائط

سوال: ترجمے کا معنی ومفہوم بیان کر کے اس کی اقسام وشرائط پر روشنی ڈالیں۔

جواب: ترجمے کا معنی ومفہوم: لغت عرب میں لفظ ''ترجمہ'' دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ① کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل کرنا۔ ② کلام کا مطلوب و مقصود دوسری زبان میں وضاحت سے بیان کرنا۔ مذکورہ بالا وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ ترجمہ کی دو قسمیں ہیں: (الف) لفظی ترجمہ (ب) تفسیری ترجمہ۔

لفظی ترجمہ: کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں نظم وترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے منتقل کرنا اور اصل کلام کے معنی ومفہوم کو قائم رکھنا تاکہ کوئی تبدیلی واقع نہ ہو۔

تفسیری ترجمہ یا بامحاورہ ترجمہ: کلام کا مطلب ایک زبان سے دوسری زبان میں نظم وترتیب کے بغیر اصل معانی کا لحاظ رکھتے ہوئے وضاحت سے بیان کرنا۔ ①

شرائط ترجمہ: مفسر یا مترجم کے لیے تین شرطیں ہیں:

1- مترجم قرآن کے مطالب بیان کرنے میں ایسی تفسیر پر اعتماد کرے جو احادیث، عربی لغت اور شریعت اسلامیہ کے معتبر اصول وضوابط سے ماخوذ ہو۔

2- مترجم لغت قرآن اور جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہو دونوں کا بخوبی ماہر ہو اور ان کے اسرار ورموز، طریقہ استعمال، وضع ودلالت اور گرائمر سے مکمل طور پر آگاہ ہو۔

3- مترجم گمراہ کن عقائد وافکار کا حامل نہ ہو کیونکہ فاسد عقیدہ اس کے فکر ونظر پر چھایا ہوتا ہے۔ ②

---

① التفسير والمفسرون: 1/23، 24

② التفسير والمفسرون: 1/29، 30

تفسیر قرآن کے ماخذ

سوال: تفسیر قرآن کے ماخذ وضاحت سے بیان کریں۔

جواب: تفسیر قرآن مجید کے ماخذ درج ذیل ہیں:

- قرآن
- احادیث
- اقوال صحابہ
- اقوال تابعین
- اسرائیلیات
- لغت عرب
- عقل سلیم۔

قرآن کریم: تفسیر قرآن کا پہلا ماخذ خود قرآن کریم ہے کیونکہ قرآن کریم میں ایک جگہ کسی چیز کا ذکر اختصار سے کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ تفصیل سے' ایک جگہ مطلق اور دوسری جگہ مقید اور یہی حال عام و خاص اور ایجاز و اطناب کا ہے۔ مفسر قرآن کے لیے ضروری ہے کہ ایک موضوع پر وارد شدہ تمام تکرار والی آیات کو جمع کر کے پھر تفسیر کرے تاکہ مطلق و مقید' عام و خاص اور مبہم و مُبیّن کو سمجھنے میں آسانی ہو' مثلاً:

- حضرت آدم و موسیٰ اور سلیمان علیہم السلام کے قصے اور اسی طرح ابلیس' فرعون' ہامان اور قارون لعنة الله عليهم کے قصے بعض جگہ انتہائی مختصر ہیں اور بعض جگہ تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔
- سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿ فَتَلَقَّىٰٓ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ﴾ (البقرة:2/37)

''پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی۔''

ان کلمات کی تفسیر سورۃ الاعراف میں بیان کی گئی ہے:

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○﴾ (الاعراف:7/23)

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں معاف نہ کرے گا اور رحم نہ کرے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھائیں گے۔''

✧ سورۂ مائدہ میں ہے:

﴿ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ (المائدۃ:5/1)

''تمہارے لیے مویشی قسم کے چرنے والے جانور حلال کیے گئے ہیں سوائے ان کے جو تمہیں بتلائے جا چکے ہیں۔''

اور ان مویشیوں کی تفسیر چند آیات کے بعد سورۂ مائدہ ہی میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

(المائدۃ:5/3)

''تم پر (یہ چیزیں) حرام کی گئی ہیں: مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز

جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کی جائے نیز وہ جانور جو گلا گھٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر کر یا سینگ کی ضرب سے مر گیا ہو یا جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو سوائے ان کے جنہیں ذبح کر لو' نیز آستانے پہ ذبح کیا گیا جانور بھی حرام ہے اور فال کے تیروں سے قسمت معلوم کرنا بھی حرام ہے۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے بالکل مایوس ہو گئے ہیں لہٰذا ان سے مت ڈرو' صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے بحیثیت دین' اسلام کو پسند کیا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص بھوک کے مارے مجبور ہو جائے بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ یقیناً بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

تفسیر القرآن بالقرآن کی مشہور کتب درج ذیل ہیں:

* اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن' للشیخ محمد الأمین الشنقیطی.
* تفسیر القرآن بالقرآن' للشیخ عبدالکریم.
* تفسیر القرآن بکلام الرحمان' للشیخ ثناء اللّٰہ امر تسری .

احادیث نبویہ: تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ ذمہ داری بھی بیان کی ہے کہ وہ قرآن کریم کی وضاحت بھی کریں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل:16/44)

''اور آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن) اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں

کو وضاحت سے بتا دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَلاَ ، إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ ، أَلاَ يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ: عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُم فِيهِ مِنْ حَلاَلٍ فَأَحِلُّوهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٤)

''خبردار! مجھے کتاب (قرآن) کے ساتھ اس جیسی اور چیز (حدیث) بھی دی گئی ہے۔ عنقریب ایک پیٹ بھرا (آسودہ حال) آدمی اپنے پلنگ پر بیٹھا کہے گا اس قرآن کو اختیار کرو، جو اس میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو۔''

چند مثالیں ملاحظہ ہوں جن میں آپ نے قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر فرمائی ہے:

(الف) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ''**اَلمَغضُوبِ عَلَيهِمْ**'' اور ''**اَلضَّآلِّين**'' کے بارے میں فرمایا:

«إِنَّ الْمَغْضُوبَ عَلَيْهِمُ الْيَهُودُ ، وَالضَّالِّينَ النَصَارٰى»
(مسند أحمد: ٤/ ٣٧٨، ٣٧٩، ح: ١٩٦٠٠)

''**المغضوب عليهم**'' سے مراد یہود ہیں اور ''**الضالين**'' سے مراد نصاریٰ ہیں۔''

(ب) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ''**صَلاةُ الْوُسْطٰى**'' کی تفسیر میں فرمایا:

«صَلاَةُ الْوُسْطٰى صَلاَةُ الْعَصْرِ»(جامع الترمذي ، تفسير

القرآن، ح: ۲۹۸۵)

''درمیانی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے۔''

(ج) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ (الانفال:8/60)

''اور جہاں تک ممکن ہو کافروں کے مقابلے کے لیے قوت تیار رکھو۔'' پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا:

«أَلاَ إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ»(صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الرمي والحث عليه، وذم من علمه ثم نسيه، ح: ۱۹۱۷)

''متنبہ ہو جاؤ! بلاشبہ قوت وطاقت تیراندازی میں ہے۔''

(د) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آ گئی۔ پھر آپ نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اٹھایا اور صحابہ سے کہا یا صحابہ نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کیوں مسکرائے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے اور آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَر.....الآية﴾

جب آپ تلاوت سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''جانتے ہو کوثر کیا ہے؟'' صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے جنت میں دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور اس پر بے حد خیر اور بھلائیاں ہوں گی۔ اس پر ایک حوض ہوگا جس پر قیامت کے روز میری امت کے لوگ آئیں گے۔ اس کے آب خورے (پیالے) ستاروں کی تعداد میں

ہوں گے۔''①

اقوال صحابہ: تفسیر کا تیسرا ماخذ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں جنہوں نے قرآن کریم کی تفسیر سیکھنے کے لیے اپنی زندگیاں صرف کر دیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو تفسیر میں لیتے ہوئے مندرجہ ذیل امور مدنظر رکھنا ضروری ہیں:

* صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تفسیری اقوال میں صحیح وضعیف ہر طرح کی روایات ملتی ہیں اس لیے ان کے اقوال کی بنیاد پر تفسیر کرنے سے پہلے اصول حدیث کے مطابق ان کی تحقیق کرنا ضروری ہے۔
* صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اس وقت حجت ہوں گے جب کتاب وسنت سے اس آیت کی کوئی صریح تفسیر مستند طریقے سے ثابت نہ ہو اگر صحیح حدیث ثابت ہو تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو تائید کے لیے پیش کیا جاسکتا ہے اور اگر صحیح حدیث کے خلاف ہوں گے تو ان کو قبول نہ کیا جائے گا۔
* صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صرف وہی اقوال لیے جائیں گے جو احادیث صحیحہ کے خلاف نہ ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کی ہوئی تفسیر میں آپس میں اختلاف بھی نہ ہو۔
* جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ تفسیروں میں اختلاف ہو تو پہلے ان میں تطبیق دی جائے گی۔ اگر تطبیق ناممکن ہو تو مفسر کو چاہیے کہ دلائل کے اعتبار سے جس قول کو قوی سمجھے اسے اختیار کر لے۔

اقوال التابعین رحمہم اللہ: تابعین کے اقوال کو تفسیر میں حجت ماننے کے بارے میں علماء

---

① صحیح مسلم، الصلاة، باب حجة من قال: البسملة آية من اول..... الخ، حدیث:400 و سنن ابی داود، السنة، باب فی الحوض، حدیث:4747

کا اختلاف ہے۔ اس بارے میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول زیادہ بہتر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''تابعی اگر کوئی تفسیر صحابی سے نقل کر رہا ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو صحابہ کی تفسیر کا ہے۔ اگر وہ خود اپنا قول بیان کرے تو دیکھا جائے گا کہ کسی دوسرے تابعی کا قول اس کے خلاف ہے یا نہیں۔ اگر خلاف ہو تو اس وقت تابعی کا قول حجت نہ ہوگا اور اس آیت کی تفسیر کے لیے قرآن کریم' احادیث نبویہ' آثار صحابہ' لغت عرب اور دوسرے شرعی دلائل پر غور کر کے فیصلہ کیا جائے گا، البتہ اگر تابعین کا اختلاف نہ ہو تو پھر ان کی تفسیر حجت بن سکتی ہے۔''①

اسرائیلیات: اسرائیلیات سے مراد یہود و نصاریٰ کے وہ قصص اور واقعات ہیں جو حقیقی طور پر یا ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے والے سابقہ یہود و نصاریٰ نے بیان کیے اور وہ اقوال و قصص اسلامی معاشرے میں رواج پا گئے۔ ان کی تین قسمیں ہیں:

✧ وہ روایات جن کی صحت کی تائید کتاب و سنت سے ہوتی ہو وہ روایات صحیح ہوں گی اور انہیں اخذ کیا جائے گا' جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلاَ حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح: ٣٤٦١)

''میری باتیں لوگوں کو پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اور بنی اسرائیل سے جو سنو اسے بھی بیان کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے گا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔''

① مقدمه تفسير ابن كثير:21/1

✧ وہ اسرائیلیات جو کتاب وسنت کی نصوص صریحہ کے خلاف ہوں وہ صحیح ہوں گی نہ حجت بنیں گی، مثلاً حضرت داود علیہ السلام کا ''اوریا'' کی بیوی پر عاشق ہوجانا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا انگوٹھی کے ذریعے سے حکومت کرنا وغیرہ۔ ①

✧ مسکوت عنہ یعنی وہ اسرائیلی روایات جو پہلی دونوں قسموں میں سے نہ ہوں۔ ان کی نہ تصدیق کی جائے گی نہ تکذیب بلکہ توقف کیا جائے گا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلاَ تُكَذِّبُوهُمْ» (صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا﴾، ح: ٤٤٨٥)

''تم اہل کتاب کو سچا سمجھو نہ جھوٹا۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○﴾ (العنكبوت:46/29)

''کہو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر نازل کی گئی ہے ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں۔''

اکثر یہ روایات ایسی چیزوں کے بارے میں ہیں جن میں کوئی دینی فائدہ نہیں ہوتا، اس لیے ان کے بارے میں مفسرین میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً اصحاب کہف کے نام اور ان کے کتے کا رنگ، گائے کے عضو کی تعیین اور آدم علیہ السلام کے درخت کا نام وغیرہ۔ ②

---

① بائبل، کتاب سلاطین

② التفسير والمفسرون: 180،179/1

لغت عرب: مصادر تفسیر میں بعض علماء نے لغت عرب کو بھی شامل کیا ہے کیونکہ عربی زبان نہایت وسیع ہے اور اس کے ایک ایک لفظ اور جملے کے متعدد معانی ہیں' اس لیے بعض علماء نے اسے بھی مصدر تفسیر بنایا ہے لیکن بعض علماء نے مطلق طور پر لغت کو مستقل ماخذ ماننے سے انکار کیا ہے کیونکہ لغت کی بنیاد پر ان میں سے کسی ایک مفہوم کو متعین کرنا غلطی کا سبب بن سکتا ہے' بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: ''لغت کے ذریعے سے قرآن کی تفسیر کرنا مکروہ ہے'' اور بعض علماء نے کہا ہے:

''جس جگہ قرآن وسنت یا آثار صحابہ میں کسی لفظ کی تفسیر نہ ہو وہاں وہ تفسیر کی جائے گی جو اہل عرب کے عمومی محاورات میں عام طور پر سمجھی جاتی ہو۔ ایسے موقع پر اشعار عرب سے استدلال کر کے کوئی ایسا قلیل الاستعمال معنی بیان کرنا بالکل غلط ہے جو لغت کی کتابوں میں تو لکھا ہوا ہو لیکن عام بول چال میں نہ ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا: ﴿اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ (الأعراف:7/160)

ہر ایک کے نزدیک اس کا یہی معنی ہے کہ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو لیکن سرسید احمد خان نے عام محاورے کو ترک کرتے ہوئے اور لغت کا سہارا لیتے ہوئے یہ معنی بیان کیا ہے: ''اے موسیٰ اس لاٹھی کے سہارے سے اس چٹان پر چلو۔''

عقل سلیم: عقل سلیم کی ضرورت یوں تو دنیا کے ہر کام کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ مذکورہ مصادر تفسیر سے بھی تبھی استفادہ ہو سکتا ہے جب عقل سلیم موجود ہو لیکن اس کو مستقل ماخذ کے طور پر ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کے اسرار و معارف ایک بحر بے کراں ہیں۔ مذکورہ ماخذوں کے ذریعے سے اس کے مضامین کو بقدر ضرورت تو سمجھا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک اس کے اسرار' حکمتوں اور حقائق و معارف کا تعلق ہے ان کے بارے میں کسی دور میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی انتہا ہو گئی

ہے' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے حقائق واسرار پر غور وفکر کرنے کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ جس کو بھی اللہ نے علم وعقل اور خشیت وانابت عنایت کی ہے' وہ تدبر کر کے نئے نئے حقائق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے' چنانچہ ہر دور کے مفسرین اپنی اپنی فہم کے مطابق اس باب میں اضافہ کرتے آئے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس طرح عقل وفہم سے اخذ کیے ہوئے وہی حقائق واسرار معتبر ہوں گے جو دوسرے شرعی اصولوں اور مذکورہ ماخذوں سے متصادم نہ ہوں۔ اگر کوئی مفسر اصول شرعیہ کو چھوڑ کر یا توڑ کر کوئی نکتہ بیان کرے تو اس کی دین میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔

اقسام تفسیر

سوال: اقسام تفسیر مختصراً لکھیں۔

جواب: تفسیر کی درج ذیل پانچ اقسام ہیں: (١) التفسير بالمأثور (٢) التفسير بالرأى (٣) التفسير الصوفية (٤) التفسير العلمى (٥) التفسير الفقهى.

(1) التفسير بالماثور: اس سے مراد وہ تفسیر ہے جو قرآن، احادیث نبویہ یا اقوال صحابہ و تابعین سے منقول ہو۔ ان ماخذوں کے ساتھ تفسیر کرنا ''تفسیر بالماثور'' کہلاتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی تفسیر کو تفسیر بالماثور نہیں کہہ سکتے۔ احادیث اور اقوال صحابہ و تابعین سے منقول تفسیر کے بارے میں سندی حیثیت کو جاننا اور تحقیق کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اگر وہ صحیح سند سے ثابت ہو تو مقبول ہوگی ورنہ نہیں۔

تفسیر بالمأثور کی مشہور تفاسیر:

- جامع البيان فى تفسير القرآن: (ابو جعفر محمد بن جرير طبرى، وفات: 310 هجرى)
- بحر العلوم: (ابو ليث نصر بن محمدسمر قندى، وفات: 357 هجرى)
- الكشف والبيان عن تفسير القرآن: (ابو اسحق احمد بن ابراهيم نيشاپورى، وفات: 427 هجرى)
- معالم التنزيل: (محى السنة ابو محمد حسين بن مسعود بن محمد الفراء البغوى، وفات: 510 هجرى)
- تفسير القرآن العظيم: (حافظ عماد الدين ابو الفداء اسمٰعيل بن عمرو

بن کثیر' وفات:774ھجری) المعروف تفسیر ابن کثیر.

❁ الدرالمنثورفی تفسیر المأثور: (حافظ جلال الدین ابو الفضل عبدالرحمان بن ابی بکر بن محمد السیوطی' وفات:911 ھجری)

(2)التفسیر بالرأی: تفسیر بالرائے کی مندرجہ ذیل دو قسمیں ہیں:

1- تفسیر بالرائے جائز (محمود): اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جو مفسر اپنے اجتہاد سے کرے اور اس کی بنیاد کلام عرب' وجوہ دلالت اور جاہلی اشعار پر ہو' مفسر اسباب نزول' ناسخ ومنسوخ اور اقسام قراءت سے بھی واقف ہو۔

مشہور تفاسیر:

❁ مفاتیح الغیب' المعروف التفسیر رازی: (فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر بن حسین الرازی' وفات: 606 ھجری)

❁ انوار التنزیل واسرار التأویل' المعروف تفسیر البیضاوی: (قاضی ناصر الدین ابو الخیر عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی البیضاوی' وفات: 691 ھجری)

❁ البحر المحیط: (ابو حیان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الأندلسی' وفات: 745 ھجری)

❁ غرائب القرآن و رغائب الفرقان: (نظام الدین بن حسن بن محمد بن حسین الخراسانی نیشا پوری)

2- تفسیر بالرائے غیر جائز (مذموم): اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جس میں تفسیر بالرائے جائز کی شروط مدنظر نہ رکھی گئی ہوں بلکہ اس کی بنیاد مفسر کی خواہشات اور بدعتی نظریات پر ہو' جیسا کہ بدعتی فرقوں کی تفسیریں ہیں۔

مشہور کتب:

- الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الأقاویل فی وجوہ التأویل المعروف تفسیر الکشاف: (ابو القاسم محمود بن عمر بن عمر الخوارزمی الزمخشری، وفات:538 ہجری)
- تفسیر حسن عسکری: (ابو محمد حسن بن علی الھادی بن محمد بن الجواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم، وفات: 260 ہجری)
- ھمیان الزاد الیٰ دار المعاد: (محمد بن یوسف بن عیسیٰ بن صالح، وفات: 1332 ہجری)
- مجمع البیان لعلوم القرآن: (ابو علی الفضل بن الحسن بن الفضل الطبرسی المشھدی)
- تفسیر غریب القرآن: (امام زید بن علی، وفات:290ہجری)

3-التفسیر الصوفیہ: اس کی دو قسمیں ہیں:

❁ تفسیر الصوفی النظری: یہ ایسی تفسیر ہوتی ہے جس کی بنیاد صرف نظری مباحث اور فلسفی تعلیمات پر ہوتی ہے جن کا حقائق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً الفتوحات المکیۃ (محی الدین بن عربی)

❁ تفسیر الصوفی الفیضی: اس سے مراد آیات قرآنیہ کی ایسی تفسیر ہے جو ظاہر کے خلاف ہو اور جس کی بنیاد ایسے مخفی اشارات پر ہو جو اصحاب تصوف وسلوک ہی کو معلوم ہو سکتے ہوں، مثلاً: تفسیر القرآن العظیم (ابو محمد سھل بن عبداللہ بن یونس بن عیسیٰ بن عبداللہ الشیرازی التستری وفات 283ھجری) اور عرائس البیان فی حقائق القرآن (ابو محمد روز بھان بن ابی النصر الشیرازی

الصوفی' وفات: 666 ھجری)

4- التفسیر العلمی: اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جس میں قرآنی آیات سے فلسفیانہ آرا اور جدید علوم (سائنس' عمرانیات وغیرہ) نکالنے کی کوشش کی گئی ہو' مثلاً امام غزالی کی جواھر القرآن اور شیخ طنطاوی الجوہری کی "الجواھر فی تفسیر القرآن الکریم."

5- تفسیر الفقھی: اس سے مراد وہ تفسیر ہے جس میں قرآن کریم کی صرف احکامات والی آیات کی تفسیر کی گئی ہو۔

مشہور تفاسیر

☆ احناف کی تفاسیر: ① احکام القرآن: (ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص وفات 370 ھجری)

② تفسیرات احمدیة فی بیان الآیات الشرعیة: (ملا جیون حنفی)

☆ شافعیہ کی تفاسیر: ① احکام القرآن: (ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری وفات 450ھجری)

② القول الوجیح: (جلال الدین السیوطی وفات 911 ھجری)

☆ مالکیہ کی تفاسیر: ① احکام القرآن: (شیخ ابو بکر محمد بن عبداللہ بن محمد الاندلسی وفات: 543 ھجری)

② الجامع لاحکام القرآن المعروف تفسیر القرطبی: (شیخ ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی وفات: 671ھجری)

تمت بالخیر

مراجع ومصادر

1- قرآن کریم
2- تفسیر القرطبی
3- تفسیر ابن کثیر
4- تفهیم القرآن
5- روح المعانی
6- صحیح البخاری
7- صحیح مسلم
8- جامع الترمذی
9- سنن النسائی
10- مسند احمد
11- صحیح ابن حبان
12- معجم الطبرانی
13- مجمع الزوائد
14- فتح الباری شرح صحیح البخاری
15- فیض الباری شرح صحیح البخاری
16- مناهل العرفان فی علوم القرآن
17- الاتقان فی علوم القرآن
18- التفسیر والمفسرون
19- قواعد التفسیر
20- قواعد القرآن
21- منهج القرآن
22- البرهان
23- تاریخ القرآن و غرائب اسمه وحکمه
24- الاعتصام للشاطبی
25- تاج العروس
26- لسان العرب
27- مفردات امام راغب اصفهانی

اُصولِ تفسیر سوالاً جواباً

قرآن مجید انسانی ہدایت کا آخری نوشتہ اور دائمی نصوص، محکمات اور اوامر کا مجموعہ ہے۔ قرآن فہمی کے جدید دنیا میں بیسیوں مراکز اور طریق تعلیم پائے جاتے ہیں جو سب اپنی اپنی جگہ مفید اور مستحسن ہیں، مگر ان میں ایک وہ روایت ہے جسے دینی مدارس میں دورۂ تفسیر کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔

پیش نظر کتاب ایسے ہی مدت مدید سے جاری دورۂ تفسیر کے علمی نکات اور افادات پر مبنی خزینۂ معلومات ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اصول تفسیر کے مشکل مراحل کو سوال و جواب کے اسلوب میں آسان اور زود فہم بنا دیا گیا ہے۔

دار السلام نے اس علمی اور تحقیقی کاوش کو جدید طباعتی ضوابط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو طالبانِ قرآن کے لیے مفید اور نافع بنائے۔ (آمین یارب العالمین)

دار السلام
DARUSSALAM